فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد
نائب مدیر: حامد رحمٰن
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 100 | 22 رمضان المبارک تا 22 شوال 1434 ہجری یکم تا 31 اگست 2013 | شمارہ نمبر 16-15

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اخلاقی ترقی کا آخری کمال

یہ ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مُدعا یا غرض درمیان میں نہ ہو۔ بلکہ اخوت وقرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشو ونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلّف کے اور بغیر پیشِ نہاد رکھنے کسی قسم کی شکرگذاری یا دُعا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔

عزیزو!

اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ سے کسی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا ہے تب تک اس کو اپنا ایک عضو سمجھو لیکن جو شخص مکّاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بدعہدیوں یا کسی قسم کے جور و جفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا وساوس و حرکات مخالف عہد بیعت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بد عملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے باہر ہے اس کی پرواہ نہ کرو۔

چاہیے کہ اسلام کی ساری تعریف تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدائے تعالیٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے۔ توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ۔ اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دُکھ اٹھالو۔ ولا تموتن الا وانتم مُسلمُون۔ (پیغام صلح ۱۶ ستمبر ۱۹۸۱ء)

ہر احمدی کو اپنی حیثیت و توفیق کے مطابق

سلسلہ کی خدمت میں حصہ لینا چاہیے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر چندہ دیتا ہے اس کے رزق میں برکت دی جاتی ہے۔ جو شخص اپنی حیثیت و توفیق کے موافق اس سلسلہ کی چند پیسوں سے امداد نہیں کرتا اُس سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ کو اس کے وجود سے کیا فائدہ؟ ایک معمولی انسان بھی خواہ کتنی ہی شکستہ حالت کا کیوں نہ ہو۔ جب بازار جاتا ہے تو اپنی قدر کے موافق اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ لاتا ہے تو پھر کیا یہ سلسلہ جو اپنی عظیم الشان اغراض کے لئے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس لائق بھی نہیں کہ وہ اس کے لئے چند پیسے بھی قربان کر سکے؟ دنیا میں آج تک کونسا ایسا سلسلہ ہوا ہے یا ہے جو خواہ دنیوی حیثیت سے ہے یا دینی کہ بغیر مال کے چل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر ایک کام کو اسباب ہی سے چلایا ہے۔ پھر کس قدر بخیل و ممسک وہ شخص ہے جو ایسے عالی مقصد کی کامیابی کے لئے ادنیٰ چیز مثل چند پیسے خرچ نہیں کر سکتا۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ الٰہی دین پر لوگ اپنی جانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح نثار کرتے تھے، مالوں کا تو کیا ذکر؟ ۔۔۔مگر ایک وہ ہیں کہ۔۔۔ اقرار بھی کر جاتے ہیں کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے مگر مدد و امداد کے موقع پر اپنی جیبوں کو دبا کر پکڑ رکھتے ہیں بھلا ایسی محبت دنیا سے کوئی دینی مقصد پا سکتا ہے اور کیا ایسے لوگوں کا وجود کچھ بھی نفع رساں ہو سکتا ہے ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جب تک تم اپنی عزیز ترین اشیاء کو اللہ جل شانہ کی راہ میں خرچ نہ کرو تب تک تم نیکی کو پا نہیں سکتے''۔

چاہیے کہ جماعت کا ہر ایک متنفّس عہد کرے کہ میں اپنی حیثیت کے مطابق اتنا چندہ دیا کروں گا کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے عہد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں برکت دیتا ہے۔ (ملفوظات جلد ششم)

☆☆☆☆

خطبہ جمعۃ الوداع

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ترجمہ: ’’(ایسا) نہیں میں قرآن کے حصوں کے نزول کی قسم کھاتا ہوں اور وہ بھاری قسم ہے اگر تم جانو۔ یقیناً یہ قرآن نفع پہنچانے والا ہے۔ محفوظ کتاب میں۔ سوائے پاک لوگوں کے اسے کوئی نہیں چھوتا۔ جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے‘‘۔ (سورۃ الواقعہ آیت 80-75)

اللہ تعالیٰ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایک اور رمضان کی عبادات کرنے کا موقع عطا کیا اور ہم اسی سے امید کرتے ہیں کہ جو ہم نے اس کی رحمت، اس سے مغفرت چاہنے کی اور آگ کے عذاب سے بچنے کے لئے دعائیں کیں وہ تمام قبول فرمائے۔

یہ بہت ہی مبارک گھڑی ہے کیونکہ آج رمضان بھی ہے، جمعۃ الوداع بھی ہے اور ہم آخری دس بابرکت راتوں کی عبادات کر رہے ہیں اور اُس رات کی بھی ہم برکات تلاش کر رہے ہیں جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ قرآن کا نزول چونکہ اسلام کا شروع ہونا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دعوی کرنے کا آغاز بھی ہے اس لئے رمضان کا مہینہ ایک بہت ہی بابرکت اور عظیم واقعہ کی ہمیں ہر سال یاد دلاتا ہے۔ اور ساتھ ہی قرآن پر عمل کرنے کا ایک نیا عزم ہمارے دلوں میں ڈالتا ہے۔

قرآن کے نزول کا مقصد

قرآن کے نزول کا اصل مقصد وہ ہدایت نامہ ہے جس کو پڑھ کر، سمجھ کر اور اس کے احکامات پر عمل کر کے انسان تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے اور اس عمل کے ذریعہ وہ متقی یعنی خدا سے ڈرنے والا اور خدا کے احکامات پر عمل کرنے والا بن جاتا ہے اور رمضان ایک ایسا موقع فراہم کرتا ہے جس میں تقویٰ کی بنیادوں کو مضبوط سے مضبوط کیا جاسکتا ہے۔

قرآن ایک معجزہ ہے

قرآن کریم کو کہا گیا کہ یہ ایک معجزہ ہے کیونکہ اس کے نام کے اندر ہی اس کے پڑھے جانے کے متعلق پیشگوئی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب نہیں جو نازل ہوئی، کچھ عرصہ کے لئے پڑھی گئی اور پھر لائبریری کی کسی الماری کی زینت بن گئی۔ بلکہ یہ کتاب بار بار اور ہمیشہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ آج کل اگر ہم جائزہ لیں تو بائیبل دنیا کی سب سے زیادہ چھپنے والی کتاب ہے۔ لیکن سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہی ہے۔ اس لئے قرآن ایک ایسا پیشگوئی والا لفظ ہے جس کے نزول سے ہی خدا تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دنیا کی کتاب نازل ہوئی ہے۔

قرآن کے متعلق پانچ اہم باتیں

جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، ان میں پانچ واضح باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

پہلی بات جو خدا تعالیٰ نے فرمائی وہ یہ ہے کہ **’’قرآن کے حصوں کے نزول کی قسم‘‘** یعنی قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ حصوں میں نازل ہوگی۔ ایک لمبے عرصے میں قرآن اُترے گا اور سالہا سال اترتا رہے گا۔ اس کا کتاب ہونا بھی شروع میں ہی بتا دیا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگوئی اور خدا تعالیٰ کے دین کا صادق ہونا ثابت کرتا ہے کہ چند صفحات کے نازل ہونے کے بعد ایک چیز کو کتاب کہا جاتا ہے۔ بلکہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب کی شکل اختیار کر لینا بتایا جاتا ہے۔

بائیبل میں قرآن کریم کے نزول کے متعلق پیشگوئی

اگر ہم بائیبل کی طرف توجہ کریں تو **بائیبل بھی اس آنے والی کتاب کو کہتی ہے کہ وہ حصوں حصوں میں آئے گی، تھوڑی تھوڑی کر کے آئے گی۔** یہ دوسری بات ہے کہ عیسائیوں نے اس چیز کو دوسری طرح سمجھا لیکن بات بڑی واضح ہے کہ بائیبل میں ’’یسعیاہ‘‘ کی کتاب کے 28 ویں باب کی 10 ویں اور 11 ویں آیت

میں دو ایسی حقیقتیں ہیں جو اسلام کی سچائی پر روشنی ڈالتی ہے۔ان آیات کا اُردو ترجمہ وہ مقصد ادا نہیں کرتا جو انگریزی ترجمہ کرتا ہے۔اُردو ترجمہ یوں ہے: **''و حکم پر حکم، قانون پر قانون، تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں لیکن وہ بیگانہ لبوں اور اجنبی زبان سے اُن لوگوں سے کلام کرے گا'' دراصل قرآن کے متعلق ہے۔** ایک قرآن کریم کا حصوں حصوں میں آنا اور دوسرا بیگانہ زبان میں یعنی اُس زبان میں نہیں ہوگا جو بائیبل کی اس وقت زبان تھی اور جو زبان بولی جائے گی اس چیز پر اگر ہم انگریزی ترجمہ پر غور کرتے ہیں تو:

10: For Precept*must be* upon precept, precept upon precept; line upon line, line upon line; here a littl*and* there a little:
11: For with stammering lips and another tonuge will he speak to this people. (Isaiah 28: 10-11)

انگریزی ترجمہ میں لفظ Stammering یعنی لکنت اور another tonuge یعنی کوئی اور زبان استعمال ہوئے ہیں۔غور کریں تو عربی میں ادائیگی کے دوران بعض ''م'' یا ''ن'' کے استعمال کے دوران بعض حروف تہجی ادا کرتے وقت ٹھہراؤ کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔خاص کر ''م'' یا ''ن'' کے استعمال کے دوران یہ لکنت یا Stammering کا احساس دیتا ہے۔دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اپنی زبان میں لوگوں کو پڑھائے گا کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک دوسری زبان ہوگی جو کہ اُس وقت بولی جانے والی زبان تھی۔

بائیبل کی کتاب ''یسعیاہ'' 29:12 میں ایک بہت ہی اہم نکتہ آتا ہے جو قرآن کریم کے نزول کے متعلق ہے۔اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ کتاب کسی ان پڑھ کے ہاتھ میں پکڑائیں گے اور وہ کہے گا کہ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔تو قرآن کریم کے نزول کا وہ نقشہ کہ جس پر نازل ہوگی وہ کہے گا ما انا بقاری یعنی ''میں تو پڑھنا نہیں جانتا'' جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کہا۔تو یہ دوسری بات ہے جس سے ہمیں قرآن رسول کریم اور خدا تعالیٰ کی ہستی کے وجود کی سچائی کا اندازہ ہوتا ہے کہ باقی صحیفوں میں قرآن کا آنا، کہاں پر آنا، کیا پہلے الفاظ ہوں گے ،آگے سے کیا جواب ملے گا، کس زبان میں اترے گی اور وہ وہ زبان نہیں ہوگی جو اس وقت کی بائیبل میں لکھی گئی تھی۔

لفظ کریم کا مفہوم

دوسری بات ان آیات کے ذریعہ جو بتائی گئی ہے وہ **''یہ قرآن کریم ہے''** اب ''کریم'' کے مفہوم پر غور کریں تو بزرگ چیز یا نفع پہنچانے والی چیز (ایسا نفع جس میں اپنی کوئی غرض نہ ہو بلکہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا ہی غرض ہو) ہو۔تو اس لفظ کے ذریعہ ہم اللہ کو ''کریم'' کہیں، وہ نفع پہنچاتا ہے اور کوئی عوض نہیں مانگتا، ہم رسول کو ''کریم'' کہیں وہ نفع پہنچانے آئے بدلے میں کچھ نہ مانگا، قرآن کو ہم کریم کہیں کہ اس کو جو پڑھے گا، سمجھے گا اس سے فائدہ ہی فائدہ اٹھائے گا اور اسی طرح رمضان کو بھی ہم کریم کہتے ہیں کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور انسان کے لئے اس میں بخشش ہی بخشش ہے۔

تیسری بات جو اس آیت میں بتائی گئی ہے کہ **''یہ محفوظ کتاب ہے''** کی سورۃ کے آغاز میں ہی پیشگوئی کردی کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور دوسری جگہ سورۃ الحجر کی نویں آیت میں فرمایا: **''ہم ہی نے اس ذکر کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں''** یہ ایک تفصیلی بات ہے کہ کیسے قرآن کریم کی حفاظت ہوئی اور ہوتی چلی جارہی ہے اور کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی اس میں تبدیلی کرسکے۔اور سب سے بڑا ذریعہ اور سب سے بڑی وجہ جو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مجددین کے آنے کے بارے میں ہے۔وہ اس کی فیزیکل ورڈنگ کی حفاظت ہے جو ممکن ہی نہیں کہ اس کو کوئی تبدیل کرسکے۔اس کا نسخہ 29 سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھوایا اور وہ اب تک ''تاشقند'' کے عجائب گھر میں ہے۔اس نسخہ میں اور حال کے تمام نسخوں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔لیکن جو اس کی روحانی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہوا ہے۔وہ بھی اللہ تعالیٰ نے مجددین کے آنے سے اس کو قائم کیا ہوا ہے، کہیں کوئی روحانی تبدیلی اس میں لانے کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ مجددین اور محدثین کے ذریعہ اس کو پوری طرح روک دیتا ہے۔

چوتھی بات ان آیات میں آتی ہے کہ **''یہ ایسی کتاب ہے جسے پاک لوگ چھوتے ہیں''** دو قسم کی پاکیزگی ہوتی ہے، ایک جسمانی پاکیزگی اور دوسری روحانی پاکیزگی۔اکثر جسمانی پاکیزگی پر زور دیا جاتا ہے کہ باوضو ہوکر پڑھیں، صاف ستھری حالت میں پڑھیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے

کہ وہ قرآن کو عزت سے پڑھے بھی، عزت سے رکھے بھی اور اس پر غور بھی کرے۔ یہ سب چیزیں ظاہر ہیں۔ اور جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا سورۃ طٰہٰ کی آیات سننے کے بعد۔ اس میں بھی ان کی ہمشیرہ نے یہی اصرار کیا کہ آپ پاک حالت میں نہیں ہیں۔ آپ اس کو نہیں چھو سکتے۔ ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اُس وقت جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمرؓ (نعوذ باللہ) شہید کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اس وقت بھی یہ کتاب لکھی ہوئی تھی اور آپ کے بہنوئی نے اسے چھپا دیا تھا۔ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اس وقت سے شروع تھا۔

اب قرآن مجید میں جو احکامات ہیں ان کو ہر عام فہم انسان بھی سمجھتا ہے چاہے وہ اَن پڑھ ہو مثلاً اگر قرآن کہتا ہے کہ نماز قائم کرو تو کوئی نہیں کہے کہ میں تو ان پڑھ ہوں مجھے تو پیغام نہیں ملا۔ اس میں تعلیم کی ضرورت نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''قرآن سمجھنے کے لئے دل کو نفسانی جوش سے پاک بنانا پڑتا ہے۔'' وہ لوگ جو روحانی طور پر پاکیزہ ہو جاتے ہیں وہی قرآن کے روحانی پیغامات کو چھو سکتے ہیں یعنی سمجھ سکتے ہیں اور ان کے اندر جو روشنی ہے وہ دلوں پر اترتی ہے۔ وہ روشنی اترنا قرآن کے نزول کا اصلی مقصد ہے یہ تب ہی پایا جا سکتا ہے جب اس کے ظاہری جتنے احکامات ہیں ان پر عمل کیا جائے تو ہر کوئی سمجھے گا کہ نماز پڑھنی ہے، زکوٰۃ دینی ہے، سچ بولنا ہے اور نیکیاں جتنی ہیں وہ کرنی ہیں۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان کو نہیں کرنا۔ اور جب یہ سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرے تو بہت ہی افسوس کی بات ہے۔ لیکن اگر اس پر عمل کرے گا تو پھر اس کے دل میں ایک خاص روشنی پیدا ہوگی، اس کے اندر ایک سمجھ پیدا ہوگی اور پھر وہ اس کے جو اصلی معنی ہیں ان کو چھونے لگ جائے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ''سناتن دھرم'' میں فرمایا کہ دنیا کے جو کتے ہوتے ہیں جو دنیا سے لگاؤ رکھتے ہیں ان کو یہ علوم نہیں ملتے، جس دل پر شیطان بولتا ہو وہاں روح القدس کیسے بولے گی، دنیاوی علوم پلید سے پلید انسان بھی حاصل کر لیتا ہے اور فاسق اور فاجر مگر دینی علوم حاصل کرنے کے لئے تقویٰ اور طہارت کی ضرورت ہے۔ تو جو ھدی المتقین کتاب جس میں کہا گیا کہ یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ جو اس کے قابل ہوگا اسی کو ہدایت ملے گی''۔

آپ نے کتاب ''کرامت الصادقین'' صفحہ نمبر 10 میں لکھا ہے کہ:

''نتائج تک وہ پہنچتے ہیں جو فطرت کے پاک ہوں، قرآن عام فہم بھی ہے اور ہر کہیں نئے روپ بھی ظاہر کرتا ہے جو بعض نیک فطرت لوگ حاصل کرتے ہیں، روحانی نعمت ایمان کے بعد کامل ایمان والے لوگوں کو ملا کرتی ہے۔''

آخر میں **پانچویں بات** جو اس آیت میں بتائی گئی ہے کہ **''جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا گیا''** اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہانوں کا جو رب ہے وہ ترقی دیتا ہے اور روحانیت بھی اسی کی مدد سے مرحلہ وار ترقی کرتی ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کل سے پاک ہو جاؤں گا یا کل سے متقی بن جاؤں گا۔

ایران کے مشہور شاعر، فلاسفر اور حافظ بیان کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر ایک کو ملتا ہے، کبھی بازار میں جاتے جاتے مل جاتا ہے، کبھی کسی ایسی جگہ مل جاتا جہاں ہم کہتے ہیں کہ یا اللہ مدد کرنا، کبھی پکارنے پر آ جاتا ہے کبھی بغیر پکارے ہی آ جاتا ہے۔ لیکن زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کبھی کبھی ملاقات ہو جائے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ایسی زندگی گزارو کہ خدا تعالیٰ آپ کے دلوں میں گھر کر جائے۔

یہ بین الاقوامی پیغام تمام جہانوں کے لئے ہے اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔ یہ قرآن کا ایک دعویٰ ہے اور اس کا جو اثر ہے جوں جوں اس کی آیات اترتی رہیں اسی طرح دیکھا گیا اس پر عمل کر کے لوگ ولی اللہ بنتے رہے اور صحابہ کرامؓ اس مقام پر پہنچ گئے کہ اللہ نے ان کو سند دے دی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

دعا

ان دنوں میں جب رمضان کے کچھ دن باقی ہیں اور ابھی بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت عبادت کا موقع عطا فرما رکھا ہے۔ ہم یہی دعا کر سکتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ وہ راہیں عطا فرما دے، ہم گنہگار ہیں، ہمارے گناہ بخش دے، ہم پر رحم فرمائے، اور ہمیں قرآن کی روحانیت کو چھونا نصیب کرے تاکہ ہم اس سے اصلی فائدہ اٹھا سکیں۔ اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو شفا عطا فرمائے۔ جو لوگ فوت ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام کو بخشش عطا فرمائے اور اس جماعت کی حفاظت فرمائے اور اس کے اصلی مقصد کو پہچاننے میں ہماری مدد عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے ملک پاکستان کو اپنی حفاظت میں لے لے۔ آمین

تاریخ کا سیاہ ورق

از: عامر عزیز الازہری

7 ستمبر 1974ء انسانی تاریخ میں ہمیشہ ایک سیاہ دن کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس لئے نہیں کہ اس دن پاکستان کی قومی اسمبلی نے جماعت احمدیہ کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دیا تھا بلکہ اس لئے کہ اس دن دنیا کی تاریخ میں عموماً اور اسلامی تاریخ میں خصوصاً پہلی مرتبہ کسی حکومت وقت نے ایک مخصوص گروہ یا مخصوص نکتہ نظر رکھنے والے افراد کے مذہب کا تعین کیا تھا۔ یعنی یہ وہ دن تھا جس دن ایک حکومت نے جس کے پاس اکثریت تھی یہ اختیار حاصل کرلیا تھا کہ وہ کسی بھی گروہ یا فرد کے مذہب کا تعین کر سکے۔ اس فیصلے کو اگر اس تناظر میں دیکھا جائے کہ کل کسی وقت کسی بھی ملک میں کسی خاص گروہ کے افراد کو اکثریت حاصل ہو جائے تو ان کو یہ اختیار حاصل ہو جائے گا کہ وہ کسی بھی دوسرے فرد یا افراد جماعت کے مذہب میں مداخلت کر کے ان کی شناخت کو ہی بدل دیں۔

7 ستمبر 1974ء کو آئین پاکستان میں ترمیم کرتے ہوئے اس وقت کی پاکستان کی قومی اسمبلی نے مرحوم وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں بڑے طمطراق اور فاتحانہ انداز میں فیصلہ سنایا کہ جماعت احمدیہ کے افراد خواہ وہ جماعت احمدیہ لاہور یا جماعت احمدیہ قادیان (ربوہ) سے تعلق رکھتے ہوں وہ آئین پاکستان کے مطابق غیر مسلم ہیں۔ اس فیصلے سے ملک خداداد پاکستان اور معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوئے وہ ہر ذی شعور اور ذی عقل جانتا ہے۔ خواہ وہ اس پر لب کشائی کا حوصلہ رکھتا ہو یا محض ایمان کے کمزور ترین درجے پر خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھتا ہو۔ تاہم ایک بات تو بہرصورت واضح ہے کہ اس فیصلے کا نہ تو جماعت احمدیہ کے افراد پر کوئی اثر پڑا اور نہ ہی اس فیصلے سے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کوئی دنیاوی و دینوی فائدہ اٹھا سکے۔ بلکہ اپنی جان بھی گنوائی تو انہیں کے ہاتھوں جنہوں نے ان کو امت مسلمہ کا عظیم لیڈر بننے کا سہانا خواب دکھایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اور وقت خود فیصلہ صادر کرتے ہیں اور ان کے فیصلے کے لئے کسی اسمبلی یا کسی آئینی ترمیم کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ آسمان فیصلہ صادر کرتا ہے اور زمین پر ہو جاتا ہے۔

کن فیکون کا قانون جب حرکت میں آتا ہے تو دنیاوی عدالتوں اور اکثریت رائے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میں یہاں صرف احمدیہ انجمن لاہور جو اس فیصلے سے قبل احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام سے جانی جاتی تھی کا نقطہ نظر بیان کروں گا۔ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ خود اپنے ضمیر کی عدالت میں گواہی دیں کہ کتمان شہادت کا مورد کون ٹھہرتا ہے۔ ظالم کون ہے اور مظلوم کون!!

میں آغاز میں ہی تحریر کرتا چلوں کہ قومی اسمبلی کی کاروائی میں حصہ لینے والے تمام افراد یا تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں یا پھر عمر کے اس حصہ میں ہیں جس کو قرآن مجید میں ارذل عمر قرار دیتا ہے۔ ان تمام افراد جنہوں نے اس کاروائی میں حصہ لیا خواہ وہ جماعت احمدیہ لاہور کے نمائندہ کے طور پر شامل ہوئے تھے یا حکومت وقت کے نمائندگان کے طور پر یا جنہوں نے فیصلہ سنایا تھا خدا ان کی نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے۔ اس کی نظر پاتال تک ہے اس لئے ہم ان کے اجر و ثواب کو خدا کی عدالت میں پیش کرتے ہیں کہ وہ علی کل شیء علیم ہے۔ انہوں نے جس نیت کے ساتھ اس انتہائی نازک معاملے میں حصہ لیا تھا خدا کے ہاں سب کھلی کتاب میں ہے۔ اس لئے اگر کسی کردار کی کوئی خامی بیان کی گئی ہے تو محض حالات واقعات کی درستگی کی خاطر، نہ کہ ان کی تحقیر

اور استہزا مدنظر ہے کیونکہ مُردوں سے حساب کیا اور گمشدہ افراد کے احتساب کے کیا معنی۔

جماعت احمدیہ لاہور جو1974ء کے فیصلے سے قبل احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام سے جانی جاتی تھی کا قیام1914ء میں عمل میں آیا جب تحریک احمدیت جس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام تھے، کو سب سے پہلے ابتلا کا سامنا اس وقت کرنا پڑا جب بانی سلسلہ احمدیہ کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی تعلیم اور عقائد کے خلاف نئے عقائد گھڑ لئے۔ انہی غلط عقائد اور نظریات کی بناء پر جماعت احمدیہ لاہور کے بانی حضرت مولانا محمد علیؒ نے بہ امر مجبوری قادیان سے ہجرت کی اور لاہور آ کر احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت یا تحریک کی بنیاد محض قرآن وسنت کے درج ذیل زریں اصولوں پر رکھی گئی:

(۱): ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔

(۲): وحی نبوت حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰؐ پر ختم ہو گئی۔ اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا خواہ نیا ہو یا پرانا۔

(۳): تمام معاملات میں قرآن کریم کی تعلیم مقدم ہے۔ نیز یہ کہ قرآن کی کوئی آیت، نقطہ یا شوشہ تک منسوخ نہیں۔

(۴): اصلاح ورُشد کا سلسلہ مجددین، مصلحین، محدثین اور علمائے ربانیین کے ذریعہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

(۵): امت محمدیہؐ کے تمام آئمہ کرام، صوفیاء عظام اور مختلف مسالک کے بزرگان خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں سب قابل عزت ولائق تکریم ہیں۔

(۶): اسلام کی تبلیغ، ترویج اور اشاعت ہر فرد امت کی ذمہ داری ہے اور خاص طور پر اس جماعت کی جو اس کام کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔

(۷): ہر مسلمان مرد وعورت کا فرض ہے کہ وہ خدمت اسلام کے لئے حسب توفیق وبحد استطاعت اپنی صلاحیتوں، قابلیتوں، مالوں اور جانوں سے جہاد کرے۔

(۸): امت کے اندر اجتہاد کے زریں اصول کے تحت ہر دور کے تقاضوں اور مسائل کے مطابق اسلامی قوانین کی تشریح وتوضیح اس انداز میں کی جائے کہ اس کی خوبصورتی، اغیار واخیار دونوں پر واضح ہو جائے۔

(۹): اسلام کی تعلیم اور اس کا روشن پیغام دنیا کے کناروں تک پہنچانا۔

(۱۰): ہر قسم کے گروہی، مسلکی اور تفرقہ بازی کے فتنوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیتیں محض دین کی ترویج واشاعت میں صرف کی جائیں۔

یہ وہ زریں اصول ہیں جن پر اس جماعت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ان زریں اصولوں پر یہ جماعت کس قدر عملاً کاربند رہی اس کا ایک طائرانہ جائزہ لیا جائے تو قارئین خود جان سکیں گے کہ اس جماعت کے عروج وزوال کی داستان کس حد تک حقیقت کے قریب ہے۔

سب سے پہلے میں جماعت احمدیہ لاہور کے ممبران کا موقف قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں اور بغیر کسی تشریح وتوضیح کے فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ انسانی ضمیر کبھی غلط گواہی نہیں دیتا۔

جماعت احمدیہ لاہور کا موقف

ہم پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی توحید اور خدا تعالیٰ کی ذات پر یقین نہیں رکھتے۔ معاذ اللہ یہ محض افتراء، سراسر جھوٹ اور کذب بیانی ہے۔ ہم جماعت احمدیہ لاہور کے ممبران اور ہمارے بزرگان 1914ء سے اس بات پر یقین رکھتے آئے ہیں کہ اللہ واحدہ لاشریک ہے اس کی ذات کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر اسی طرح یقین رکھتے ہیں جس طرح اس کی ذات کو آیت الکرسی میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات پر یقین رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود سورۃ الاخلاص میں بیان کی ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو گواہ بنا کر حلفاً اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم جماعت احمدیہ لاہور کے افراد اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں۔اس کے ساتھ شرک کرنا ظلم عظیم سمجھتے ہیں۔جیسے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے“ اور ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی صفات میں شرک کرنا اور اس کی ذات میں شرک کرنا گناہ عظیم سمجھتے ہیں۔یہی ہمارا خدا تعالیٰ کی توحید کے بارے میں عقیدہ ہے،کوئی چاہے تو اس کو مانے،کوئی چاہے تو اس کا انکار کرے۔اس کا معاملہ بحوالہ خدا کرتے ہیں۔

دوسرا جو الزام ہم پر لگایا گیا وہ یہ کہ ہم رسول کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین نہیں مانتے۔میں اس سلسلے میں جماعت احمدیہ لاہور کا نقطہ نظر واضح طور پر بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم جماعت احمدیہ لاہور کے افراد آج سے نہیں بلکہ 1914ء سے ہمارے آباؤ اجداد اور ہمارے پہلے امیر جنہوں نے جماعت احمدیہ لاہور کی بنیاد رکھی حضرت مولانا محمد علیؒ اور تمام اکابرین جماعت اس بات پر یقین رکھتے تھے اور آج بھی ہم اسی یقین کے ساتھ اور ان کے اسی عقیدہ کو اپنائے ہوئے ہیں کہ جناب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم،محمدؐ عربی جو مکہ میں پیدا ہوئے اور وہ محمدؐ عربی جو مدینہ میں مدفون ہیں ہم ان کو ہر لحاظ سے خاتم النبینؐ تسلیم کرتے ہیں۔ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جناب محمد مصطفےٰؐ پر نبوت ختم ہوگئی۔اب آپؐ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی پرانا۔ہم قرآن مجید کے اس حکم کے مواقف کہ ”محمد مصطفےٰؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔“ (الاحزاب۳۳ آیت۴۰)

ہم اس آیت کے ہر لفظ پر محکم یقین رکھتے ہیں کہ یہ آیت رسول کریمؐ کی ختم نبوت پر ایک قطعی دلیل ہے۔اس آیت کے نزول کے بعد کسی اور نبی کے آنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جیسے رسول کریمؐ نے خود اس آیت کی تشریح فرمائی ”میں خاتم النبین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں“، ہم یقین رکھتے ہیں جناب محمد مصطفےٰؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔کوئی ہمارے دلوں کو ٹٹولنا چاہے تو ہم اس کے سامنے حاضر ہیں۔ہمارا معاملہ خدا کے سامنے ہے۔

یہ انتہائی افسوسناک امر ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے بارے میں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور منہ سے تو ختم نبوت پر ایمان رکھتی ہے لیکن اپنے دل میں یہ عقیدہ نہیں رکھتی۔دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر ہم اپنے دل سے خدا تعالیٰ کو حاظر ناظر جان کر اقرار کرتے ہیں کہ جناب محمد مصطفےٰؐ خدا تعالیٰ کے آخری نبی،آخری رسول ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ہم اپنے اس عقیدے پر اتنی قسمیں کھاتے ہیں جتنے قرآن مجید کے حروف ہیں،اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اگر ہم تیرا نام لے کر جھوٹ بولتے ہیں تو ہم پر وہ سزا وارد کر جس کو دنیا اپنی آنکھ سے دیکھ لے کہ جھوٹ بولنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ہم رسول کریمؐ کے بعد کسی شخص کو بھی نبی تسلیم نہیں کرتے اور جو کوئی دعویٰ نبوت کرے اس کو کافر اور کاذب تصور کرتے ہیں۔

میں اس سلسلے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دعویٰ نبوت کیا۔ان کی صرف چند تحریرات درج کرتا ہوں۔آپ اپنی کتاب مجموعہ اشتہارات میں فرماتے ہیں:

”اور دوسرے الزامات جو میرے پر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص لیلتہ القدر کا منکر ہے اور معجزات کا انکاری اور معراج کا منکر اور نیز نبوت کا مدعی اور ختم نبوت سے انکاری ہے۔یہ سارے الزامات باطل اور دروغ محض ہیں۔ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں۔اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔(مجموعہ اشتہارات جلد۴،صفحہ۳۳۳)

ہم آج ایک بار پھر امامِ وقت کی اسی تحریر کو دوہراتے ہوئے قلب صمیم سے

اس خانہ خدا میں جہاں ہم اس وقت حاضر ہیں یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ختم نبوت کے قائل ہیں۔ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو ہم بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

دوسری جگہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''کیونکہ وہ خدا کے اس قول کے مخالف ہے کہ 'ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبین'' (یعنی محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ ہاں وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں)۔ کیا تو نہیں جانتا کہ فضل اور رحم کرنے والے رب نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بغیر کسی استثناء کے خاتم الانبیاء رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لانبی بعدی سے طالبوں کے لئے بیان واضح سے اس کی تفسیر کی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اگر ہم آپؐ کے بعد کسی نبی کے ظہور کو جائز قرار دیں تو ہم وحی نبوت کا دروازہ کے بند ہونے کے بعد اس کا کھلنا جائز قرار دیں گے جو بالبداہت باطل ہے جیسا کہ مسلمانوں پر مخفی نہیں اور ہمارے رسولؐ کے بعد کوئی نبی کیسے آسکتا ہے جبکہ آپؐ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہوگئی ہے اور اللہ نے آپؐ کے ذریعہ نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔''

(حمامتہ البشریٰ، صفحہ ۲۰)

آپ نے پوری وضاحت کر دی ہے کہ رسول کریمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ پھر نہ صرف اُردو میں بلکہ آپ نے عربی زبان میں بھی اس عقیدے کو دوہرایا۔

''والی ھذا اشارۃ فی قولہ تعالیٰ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فلولم یکن لرسولنا صلی اللہ علیہ وسلم وکتاب اللہ القرآن مناسبۃ لجمیع الازمنۃ الآتیۃ واھلھا علاجاً ومداواۃ لما ارسل ذالک النبی العظیم الکریم لا صلاحھم ومداواتھم للدوام الی یوم القیامۃ فلا حاجۃ لنا الی نبی بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم.

یہی عقیدہ جماعت احمدیہ لاہور کے افراد کا ہے۔ اس کے بعد کوئی ہمارے سینے کو چاک کرنا چاہے تو رسول کریمؐ کی اس حدیث کو یاد رکھے۔

''کیا تو نے اس کا سینہ چیر کر دیکھا تھا''

ایک اہم امتیازی نشان جو صرف جماعت احمدیہ لاہور سے مخصوص ہے یہ ہے کہ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے۔ 1914ء سے ہمارے بزرگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کوئی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ ایک کلمہ گو کو کافر قرار دے۔ لہذا ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ ہمارے نزدیک تمام کلمہ گو مسلمان امت مسلمہ کا حصہ ہیں۔ یہ واحد جماعت احمدیہ لاہور ہے جو یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ صرف کلمہ طیبہ ہی امت مسلمہ کی وحدت ہے۔

ایک حیران کن کذب بیانی کرتے ہوئے یہ الزام بھی لگایا گیا کہ جماعت احمدیہ کے لوگ قرآن مجید کو نہیں مانتے اور ان کا قرآن مختلف ہے۔ اور ان کی کتاب کا نام قرآن نہیں بلکہ کتاب مبین ہے۔ اور یہ بھی الزام لگایا گیا کہ اس کتاب مبین کے 20 پارے ہیں اس سلسلے میں سوائے اس کے کیا لکھیں کہ یہ الزام لگانے والے یوم حساب کو یاد رکھیں کہ ان سے اس کذب بیانی کا حساب لیا جائے گا۔ اگر کسی ہمارے بھائی کو وہ کتاب مبین ملے تو ضرور ہم تک پہنچائے۔ ہم اس کے سامنے اپنے تمام جرموں کا اقرار کر لیں گے اور معافی مانگیں گے۔ لیکن اگر انہیں کتاب مبین نہ ملے تو شرمندہ ہوئے بغیر ہمارے اس بیان کو قبول کر لیں کہ ہم اسی قرآن مجید پر یقین رکھتے ہیں جس کی پہلی وحی رسول کریمؐ پر غارِ حرا میں اتری تھی۔

اقرا باسم ربک الذی خلق۔ ہم اس قرآن پر یقین رکھتے ہیں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتا ہے۔ جو الم سے شروع ہو کر والناس کے س پر ختم ہوتا ہے۔ ہم اس قرآن مجید کے ہر ایک حرف، اس کے ایک ایک نقطہ، اس کے ایک ایک شوشہ پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا

قرآن ہماری کتاب وہ وہی قرآن مجید ہے جو محمد عربی پر نازل ہوا۔اور جس کے 20 نہیں بلکہ 30 پارے ہیں ۔ اور جو ہر قسم کی تحریف سے خواہ وہ لفظی ہو یا معنوی محفوظ ہے ۔ ہم نے اپنی زندگیوں میں اسی قرآن کو پڑھا ہے اور یہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے ۔ جماعت احمدیہ لاہور کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کو جو محمد عربی پر نازل ہوا تھا اس کا پہلی دفعہ پوری امت مسلمہ میں سے جس نے انگریزی زبان میں ترجمہ وتفسیر کیا وہ اس جماعت کے پہلے امیر حضرت مولانا محمد علیؒ تھے ۔ اور ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہم اس انگریزی ترجمۃ القرآن کے آج تک بے شمار زبانوں میں تراجم کروا چکے ہیں ۔اب بھی اگر کوئی ہم پر الزام لگاتا ہے تو اس کا معاملہ ہم خدا کے حوالے کرتے ہیں

ایک اور الزام یہ لگایا گیا ہے کہ ہم جہاد کے منکر ہیں ۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم قطعاً جہاد کے منکر نہیں ۔ ہم قرآن مجید کے ہر حکم کو ماننے والے ہیں ۔ ہاں ہم نے اور ہمارے بزرگوں اور حضرت مرزا صاحب نے جہاد کے Concept اس کے تصور کو واضح کیا ہے ۔ وہ تصور یہ ہے کہ دین کے لئے جبر کی ضرورت نہیں ، دین کو پھیلانے کے لئے تلوار کی ضرورت نہیں ۔ ہم اس دین کو پھیلانے کے لئے ،قرآن مجید کو دنیا تک پہنچانے کے لئے اور جہاد بالقرآن اور جہاد بالنفس کا درس دینے والے ہیں اور اس جہاد میں صفِ اول میں کھڑے ہیں اور کھڑے ہوں گے ۔ ہم اس جہاد پر یقین رکھتے ہیں جو دفاع وطن کے لئے اور دفاع اسلام کے لئے ہو اور جس کا حکم صرف حکومت وقت دے سکتی ہے ۔ کبھی ایسا وقت آیا کہ ہمارے وطن نے ہمیں پکارا تو جماعت احمدیہ لاہور کے افراد اول صف میں کھڑے ہوں گے ۔ صرف پیچھے بیٹھ کر باتیں کرنے والے نہیں ہوں گے ۔ ہم اس جہاد کو نہیں مانتے جس میں آپ صرف اور صرف دوسرے لوگوں کے بچوں کو قربانی کا بکرا بنا دیں ۔ اوران کی زندگیوں کے ساتھ کھیلیں ۔ ہم ایسے جہاد پر یقین نہیں کرتے جس میں آپ خود بڑی بڑی گاڑیوں میں گھوم رہے ہوں اور غریب ان پڑھ بچوں کو فرنٹ پر مروا دیں ۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ جس دن اس ملک نے ، اس قوم نے ہمیں پکارا تو ہم اس ملک کے لئے اپنا تن من دھن قربان کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ اس ملک کی تاریخ دیکھ لیجئے جب بھی اس ملک کے خلاف قدم اٹھایا گیا ، کوئی دشمن حملہ آور ہوا تو ہماری جماعت کے ممبران خواہ وہ فوج میں افسران تھے یا جوان تھے سب سے آگے کھڑے تھے ۔

آج کے دور میں جہاد بالنفس کی زیادہ ضرورت ہے ، اپنے نفس کو قابو میں رکھیں ، رشوت لینا چھوڑ دیں ، چوری کرنا چھوڑ دیں ، تمام قسم کی بدیوں اور برائیوں سے بچ جائیں ۔ یہ وہ جہاد ہے جس کو رسول کریمؐ نے جہاد اکبر کہا ہے ۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے جہاد کر جو بڑا جہاد ہے ۔'' ہم قطعاً کسی قسم کے فساد ، شر ، کسی قسم کی شرانگیزی اور خون خرابے اور دہشت گردی کے سخت خلاف ہیں ۔

ہم کسی قسم کی دہشت گردی اور فتنہ انگیزی کا حصہ بننے کو تیار نہیں ۔ ہم پر امن لوگ ہیں اور اس ملک کے پر امن شہری ہیں ۔ ہم نے آج تک صرف اور صرف اس ملک کے قانون کی پاسداری کی ہے ۔ اور کرتے رہیں گے ۔ کیونکہ یہی ہماری تحریک کا بنیادی نظریہ اور نقطہ ہے ۔

ہم نے ان بھائیوں کو جنہیں ہمارے بارے میں غلط فہمی ہے ان پر اپنا نقطہ نظر بیان کر دیا ہے ۔ ہم نے اپنے عقائد بیان کر دیئے ہیں ۔ اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو ہمارے بارے میں جو رائے رکھیں آپ کو حق ہے ۔ ہم ایک بار پھر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو ہرگز نبی نہیں مانتے ۔ ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب نے کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا ۔ آپ نے کبھی اپنے آپ کو زمرہ انبیاء کا فرد نہیں جانا ۔ آپ نے صرف اور صرف مجدد اور محدث ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔ حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود اور مہدی کے اصل تصور کو بیان کرتے ہوئے واضح کیا کہ یہ دونوں القابات آپ کو آپ کے کام کی وجہ سے عطا کیے گئے ہیں ۔ اس پر تفصیلاً بحث کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں ۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ہم پر الزام لگائے تو ہم اس کو حوالہ خدا کرتے ہیں ۔ ہمارے وہی عقائد ہیں جو مسلمہ عقائد اہلسنت و

الجماعت کے ہیں۔ ہم کوئی مناظرہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں بحث کرنے کا کوئی شوق نہیں کیونکہ ایک تو ہمیں قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ دوسرے بحث مباحثہ اور ہنگامہ آرائی سے سوائے نفرت اور وقت کے ضیاع کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور یہ ہم چاہتے نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس دہشت گردی کی لعنت سے سب کو محفوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے کہ ہم سچائی کا راستہ اختیار کرسکیں۔ امن اور صلح کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

تاریخ کے جھروکے میں

شاید میرے ان الفاظ کو مبالغہ آمیزی اور محض ایک قلم کار کے الفاظ کی مشاقی سمجھا جائے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ پر ایسا سنہری دور اب شاید ہی کبھی آئے اور نہ ہی تاریخ کبھی ایسے نغمے سنانے کے قابل ہوگی جو جماعت احمدیہ لاہور کے بانی نے اسلام اور خدمت اسلام کے لئے شبانہ روز اپنی تحریرات کے جادو سے مسلم اور غیر مسلم دنیا کو سنائے تھے۔ آج کے نوجوان اس بات سے نابلد ہوں گے کہ مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کون تھے اور انہوں نے کیسے اسلام کی خوبصورتی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو اُردو اور انگریزی زبان میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اسلامی دنیا کا سب سے پہلا انگریزی ترجمۃ القرآن

مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ وہ پہلی مسلم شخصیت تھے جنہوں نے قرآن مجید فرقان حمید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان سے اور جماعت احمدیہ لاہور سے اب رہتی دنیا تک کوئی یہ اعزاز نہیں چھین سکتا۔ اگر اس جماعت نے کوئی اور خدمت دین نہ بھی کی ہوتی تو یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہی اس جماعت کے لئے کافی شافی ہے۔ مگر خدمت اسلام کا عظیم الشان کام اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اس جماعت کے اکابرین، مصنفین اور مبلغین نے جو خدمت کی اس کو جھوٹ کے پلندے تلے دبا بھی دیا جائے تو پھر بھی ان کے کارناموں کی راکھ سے روشنی باہر نکل آئے گی۔

انگلستان ووکنگ مشن

1912ء میں خواجہ کمال الدین رحمتہ اللہ علیہ انگلینڈ تشریف لے گئے اور پھر 1913ء میں ووکنگ مسلم مشن کے نام سے وہ عالی شان کارنامہ انجام دیا جس کی گونج آج بھی مغربی دنیا میں سنائی دیتی ہے۔ ووکنگ مشن یورپ میں پہلا باقاعدہ اسلامی مشن قائم ہوا اور جماعت احمدیہ لاہور نے 1974ء تک اس کے ذریعہ پورے یورپ اور بعد ازاں مغربی ممالک میں اسلام کی تعلیم پہنچائی اور چشمِ بینا نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی خبر کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ سب سے پہلے انگریز لارڈ ہیڈلے Lord Hadely نے اسلام قبول کیا اور پھر اس مشن کے ذریعے سینکڑوں انگریز اور غیر مسلم مشرف با اسلام ہوئے۔ مگر قربان جایئے اس تاریخ پر کہ وہ جو دوسروں کو اسلام کی تعلیم سے منور کر رہے تھے انہیں کو تکفیر کے اندھیروں میں دھکیل دیا گیا۔

جب فیصلہ ہوگیا اور خدام دین پر کفر کا فتویٰ دے دیا گیا تو اس وقت جماعت احمدیہ لاہور کے امیر حضرت مولانا صدرالدین مرحوم و مغفور سے سوال کیا گیا کہ آپ کی جماعت پر اس فیصلے کا کیا اثر پڑے گا؟ تو انہوں نے جو جواب دیا ہمارا پیارا ملک پاکستان تاریخ کے اس موڑ پر اس کی واضح تصویر بنا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کوئی نئی بات نہیں، اسلامی تاریخ میں اس طرح کے تکفیر کے فتوے ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ دیئے جاتے رہے ہیں۔ اصل تو ہم اس اسمبلی اور اراکین اسمبلی کو اس وقت داد دیں گے جب وہ مسلمان کی تعریف کریں گے“۔

میرا خیال ہے کہ قارئین ذرا غور و فکر کو کام میں لائیں تو مولانا صدرالدین مرحوم و مغفور کے اس فقرے کو وہ خود سمجھ لیں گے کہ اس فیصلے کو ہوئے 39 برس بیت گئے اور جتنی بھی حکومتیں آئیں اور تمام علماء کرام آپس میں بیٹھ کر یہ تو فتوے دے سکے کہ کافر کون ہے مگر مسلمان کی تعریف کوئی نہیں کرسکا اور نہ ہی کسی ایک مرحلہ پر آپس میں اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرسکے۔ کفر کی بھٹیاں تو خوب بھڑکیں مگر اسلام کی ٹھنڈک کوئی پیدا نہ کرسکا کیونکہ جب مذہب کاروبار بن

جائے۔دین کو محض سیاست کا ذریعہ تصور کرلیا جائے۔خدااوررسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پرتھوڑی قیمت مول لی جائے تو پھرنہ تو صداقت کی چمکارنظر آتی ہے اور نہ ہی حق کی پکار کسی کو سنائی دیتی ہے۔جب ہوا و ہوس ہی مقصود حیات بن جائے تو پھر سچائی کو پردوں میں چھپا کر کسی اچھے وقت کا انتظار کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

جماعت احمدیہ لاہور کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ سیاسی تھا یا اس کا مقصد دین کی خدمت یہ بھی اہل فکر ونظر سے پوشیدہ امر نہیں۔تاہم اس تحریک کے سیاسی محرکات کیا تھے؟ اس سے کس کو نفع پہنچا اور کس کو نقصان یہ سب کھلی کتاب ہے۔اور جو قوم کھلی کتاب سے استفادہ نہ کرسکے اس کا حال اور مستقبل دونوں ہی تاریک ہوتے ہیں۔اس تحریک کے سیاسی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔مشہور ومعروف کالم نگار محترم خورشید ندیم صاحب جو دین،معاشرت اور سیاست پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔روزنامہ اخبار ''دنیا'' میں مورخہ 26 اگست2013ء میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے جید علما جنہوں نے مدرسے اور مسلک کی فضا سے باہر رہ کر سوچا ،ان کا نتیجہ فکر بھی کم وبیش یہی ہے۔جب پاکستان میں پہلی بار قادیانی مسئلہ اٹھا تو مولانا مودودی اس کے حق میں نہیں تھے کہ اسے کسی مذہبی تحریک کا عنوان بنایا جائے۔وہ خود اس سے الگ رہے اور جماعت کو بھی الگ رکھا۔انہیں حکومت نے زبردستی اس میں گھسیٹا۔مولانا مودودی نے اس موقع پر جو عدالتی بیان دیا وہ ان کے موقف کا صحیح ترجمان ہے۔ان کا خیال تھا کہ جماعت اسلامی،اسلامی دستور کا جو مطالبہ کررہی ہے وہ دراصل ایسے مسائل کا حل ہے۔اسے گلی بازار میں حل نہیں کیا جاسکتا۔گویا جب دستور اسلامی ہوگا تو یہ سب مسائل ریاست کے نظم میں حل ہوں گے۔سچ یہ ہے کہ علما نے جب ان معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیا تو اس کے بعد مذہب سماجی امن کے لئے ایک مسئلہ بن گیا''۔

حکومت نے زبردستی مولانا مودودی مرحوم ومغور کو اس تحریک میں کیوں گھسیٹا؟ یہ سوال ہے اہل دانش وصاحبان بصیرت کے لئے۔میرا خیال ہے کہ مولانا مودودی صاحب کا یہ حوالہ خود ایک تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا مودودی مرحوم ومغفور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں جماعت احمدیہ لاہور کے چند افراد کو غیرت مند مسلمان سمجھتا ہوں مگر اچانک وہ کونسی رعق سنائی دی اور وہ کونسی برق چمکی کہ غیرت مند مسلمان راندہ درگاہ ٹھہرے اور جو کل کے ہیرو تھے وہ آج کے غدار گردانے گئے۔

میں یہاں وضاحت کرتا چلوں کہ ہم جماعت احمدیہ لاہور کے ممبران قانون اور آئین پاکستان کا احترام کرتے ہوئے طوعاً وکرھاً اس قانون پر عمل کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔مگر ہم صدائے احتجاج بلند کرتے رہیں گے صرف اور صرف اپنے خالق حقیقی کے سامنے۔ہم نالش کرتے رہیں گے اس قاضی کی عدالت میں جس نے ہمیں یہ سبق سکھایا۔اعدلو ا ھوا قرب من التقوی۔

ہم امید وآس کے دامن پھیلائے رکھیں گے اس عظیم ہستی کے سامنے جو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتی ہے۔ہم اس روشنی کی امید رکھتے ہیں جو ایک کرن سے پھوٹتی ہے تو سارے جگ کو جگمگا دیتی ہے۔وہ دن آئے گا کیونکہ راستی کو دبایا جاسکتا ہے مگر مٹایا نہیں جاسکتا۔ہم اس روشن صبح کی جوت جگائے بیٹھے ہیں۔صرف ''کُن'' کی آواز آنی باقی ہے۔

☆☆☆☆

تمام عالمِ انسانی کے نام ایک پیغام

(11 ستمبر 2010ء کے منصوبہ آتشزدگی قرآن کے حوالہ سے)

ازطرف

پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم سعید

امیر وصدر بین الاقوامی لاہور احمدیہ جماعت

انگریزی سے ترجمہ: محترمہ صفیہ سعید صاحبہ

ترجمہ: ''ہم نے خود یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ الحجر (15:9)

پاسٹر ٹیری جونز (Pastor Terry Jones) کی قرآن کو نذر آتش کرنے کی دھمکی متعصبانہ مذہبی سوچ کی بدترین مثال ہے۔ اسلام، جسے وہ ایک انتہا پسند مذہب قرار دیتا ہے۔ وہ تعداد میں عیسائیت کے بعد دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ وہ شخص اس بات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے کہ اگر وہ اسلام کو تشدد پسند قرار دیتے ہوئے اس کی مقدس کتاب کو جلانے کا منصوبہ بناتا ہے تو وہ خود اپنے آپ کو ہی انتہاء پسند ثابت کر رہا ہے۔

اس کے اس ارادہ کی مذمت کرنے والے صرف عالم اسلام سے تعلق رکھنے والے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم رہنما، دانشور، عالم، خواندہ اور ناخواندہ سب یکساں طور پر شامل ہیں۔ اور اسے اشتعال انگیز، عدم تحمل اور جارحیت کی بدترین مثال قرار دیتے ہیں۔

پاسٹر جونز کے اپنی دھمکی سے باز آجانے پر دنیا بھر کی اکثریت نے سکھ کا سانس لیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پاسٹر جونز کو اپنے اس مفسدانہ منصوبے سے چند تنگ نظر اپنے ہم خیال لوگوں میں کچھ مقبولیت حاصل ہوگئی ہو مگر مسلمانوں کی اکثریت کا مندرجہ بالا آیت پر پختہ ایمان ہے۔ درحقیقت قرآن صرف چند مجلد صفحات کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ کتاب ہے جو ہر مسلمان کے ذہن، دل اور روح میں نہایت عقیدت اور احترام کے ساتھ محفوظ ہے، نہ صرف مسلمان بلکہ متعدد غیر مسلم بھی قرآن کریم کو مقدس سمجھتے ہیں۔

قرآن کریم سے محبت کرنے والوں کے عشق کی انتہا یہ ہے کہ اس کے 1,015,030 نقاط تک گنے جاچکے ہیں۔

میرا ایسا کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس کے نقطے گننا، اس کے نزول کا مقصد ہے بلکہ اس کا ارفع واعلیٰ مقصد اس میں نازل شدہ ہدایت پر عمل پیرا ہونا ہے۔

البتہ کسی کا یہ عمل کہ اس نے اس کے ایک ایک نقطے تک کو گنا اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے اس شخص کا قرآن سے لگاؤ اور انتہائی دلی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ قرآن کی محبت سے لبریز ایسے ہی دل ہیں جو پاسٹر جونز کے نامعقول نظریے سے مجروح ہوئے ہیں۔

بحیثیت ایک مسلمان قرآن سے اپنی عقیدت کی بنا پر کچھ کہنے میں میں جانب دار ہوسکتا ہوں اس لئے میں ایک غیر مسلم کی تحریر کا حوالہ دیتا ہوں۔

''اکثر اوقات ہم دل میں نفرت کے تازہ جذبات لئے اس (قرآن) کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن جلد ہی اس کی کشش ہمیں حیران اور مبہوت کر دیتی ہے اور بالآخر ہم اس کے احترام وتعظیم پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ اپنے مقاصد اور

مندرجات میں اس کا بیان بیک وقت اٹل، شاندار، ہیبت ناک، پراثر، اعلیٰ اور ممتاز ہے، اس لئے یہ کتاب ہمیشہ اور ہر زمانے میں اپنا پرزور اثر دکھاتی رہے گی"۔

(Johann Wolfgang von Goethe: Quoted in TP Hughes' Dictionary of Islam, p. 526)

یہ کتاب حضرت محمد صلعم پر نازل ہوئی جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالمِ انسانی کے لئے مبعوث فرمایا کہ وہ انہیں (جہالت) کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف ہدایت فرمائیں۔ اگرچہ ذرائع ابلاغ اور اظہارِ خیال کی نام نہاد آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ اس عظیم الشان انسان پر زہر آلود حملے کئے گئے ہیں۔ تاہم دنیا میں ایسے انصاف پسند لوگ بھی ہیں جو مسلمان نہ ہونے کے باوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔

میں یہاں ایک ایسا اقتباس پیش کرتا ہوں جس میں نہایت واضح الفاظ میں حضرت محمد صلعم کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

"دنیا کے سب سے بااثر لوگوں کی فہرست میں
محمد (صلعم) کا نام سرفہرست دیکھ کر شاید کچھ
قارئین حیران ہوں اور کچھ دوسرے، شاید اس
پر سوال بھی اٹھائیں لیکن تاریخ عالم میں
اس واحد شخصیت کے علاوہ دوسری مثال موجود
نہیں جس نے ہر دو دینی اور دنیاوی امور میں
یکساں طور پر اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی ہو"

(Michael H. Hart, The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History, New York, Hart Publishing Company, Inx, 1978, p. 33.)

میں اس بات سے پوری طرح متفق ہوں کہ ایسے متعصب، تنگ نظر اور جوشیلے لوگ موجود ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، مگر انہیں ذاتی مفادات حاصل کرنے کے لئے گمراہ کیا گیا ہے۔ اور وہی ہیں جو ایسی مذموم اور مجنونانہ حرکات کرتے ہیں مگر یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ایک برا مسلمان مذہب اسلام کو برا نہیں بنا سکتا۔ جس طرح کہ ایک برا عیسائی، عیسائیت کو برا نہیں بنا سکتا۔

اس ضمن میں میں ایک اور انصاف پسند غیر مسلم کی تحریر سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جو مندرجہ ذیل ہے:

"ایک مقبول عام روایت ہے کہ تشدد پسند مسلمانوں نے اپنی مفتوحہ قوموں کو بزورِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ مگر یہ محض خیالی اور بعید از قیاس روایت ہے جسے مورخین دہراتے چلے گئے ہیں"

(De Lacy O' Leary, Islam at the Crossroads, London, 1923, p. 8.)

اتنا تحریر کرنے کے بعد اب میں دنیا کے وسیع القلب اور منصف مزاج لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن پاک دیگر مذاہب کے بارے میں کیا موقف رکھتا ہے۔ اس کے لئے میں قرآن کریم کی آیت 2:62 پیش کرتا ہوں:

ترجمہ: "جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی، جو کوئی بھی اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے تو ان کے لئے ان کا بدلہ اپنے رب کے ہاں ہے اور ان کو کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے" **(2.62)**

میری اپنی ذاتی سوچ یہ ہے کہ خدا پر اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے اور ذاتی مفادات پر مبنی انسانوں کی بنائی ہوئی (Cults) مذہبی رسومات کو ترک کرنے والے تمام مذاہب صابی ہیں۔

یہ ہیں قرآن کریم کی وہ تعلیمات جنہیں پیسٹر جونز جلا کر ختم کر دینا چاہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو شخص سیاہ چشمہ لگائے ہوئے ہو۔ اسے ہر شے سیاہ اور تاریک نظر آتی ہے۔ اب وہ وقت آ پہنچا ہے کہ محترم (پیسٹر جونز) اپنا سیاہ چشمہ اتار دیں۔ اور قرآن کریم کا مطالعہ صاف اور کھلے دل سے کریں۔ اور صرف اپنی مطلب براری کے لئے اصل متن سے ہٹ کر سیاق وسباق کے حوالے کے بغیر ایسی من مانی تفاسیر سے گریز کریں جس کا مقصد محض اشتعال انگیزی، نفرت اور بغاوت پھیلانا ہے۔ تخلیقِ عالم تمام بنی نوع انسان کے لئے ہوئی ہے۔ اور اس کے خالق خدا کی عظمت وکبریائی کسی ایک مذہب تک محدود نہیں کی جا سکتی بالخصوص ایسے دین کے لئے جس کی حمایت میں پیسٹر جونز ایسی احمقانہ حرکات کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ عوام الناس میں مقبولیت حاصل کر سکے۔

میں تمام امت مسلمہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ جھوٹ پر مبنی، اصلی سیاق

وسباق سے ہٹ کر منتخب آیات کی من مانی اور غلط تفاسیر سے متاثر ہو کر قرآن کی حقیقی تعلیم سے نہ بھٹکیں بلکہ قرآن کی واضح ہدایات وتعلیمات پر عمل کریں۔

یہ بات مدنظر رکھیں کہ جو مذہب نفرت سکھاتا ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ صفت رحم کو اس نے اپنے لئے خاص ٹھہرایا ہے۔ اور اس نے اپنی دو صفات الرحمٰن (نہایت مہربان) اور الرحیم (بہت رحم کرنے والا) کا ذکر قرآن کریم کی بالکل ابتداء میں کیا ہے۔

اب جو سوالات میرے ذہن میں اٹھتے ہیں وہ یہ ہیں۔

☆ کیا ایک رحمٰن اور رحیم خدا ایسے بلاوجہ قتل وغارت کی حمایت کرسکتا ہے؟

☆ کیا وہ جو اپنے آپ کو رب العالمین (تمام جہانوں کا رب) کہتا ہے صرف مسلمانوں، عیسائیوں، یہودیوں کا رب ہوسکتا ہے؟

جس طرح ہم قرآن مجید کا احترام کرتے ہوئے اس کی تعلیم پر عمل کرنا اپنا فرض قرار دیتے ہیں بالکل اسی طرح ہم پر یہ بھی لازم ہے کہ ہم اسلام کے متعلق تمام دنیا میں بالخصوص مغرب میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا اور ابتدائے مضمون میں درج آیت کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ رکھی ہے۔ اس لئے میرا یہ پیغام صرف لاہوری احمدیوں تک ہی محدود نہیں جن کا واحد مقصد قرآن کی تعلیمات کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہے بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے جو اب اس ''گلوبل ولیج'' یعنی ایک ایسی دنیا کے باشندے ہیں جو جدید مواصلاتی نظام کی بدولت اب ایک ہی گاؤں کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

اگر آج کچھ لوگ اپنی اسلام دشمنی کی بنا پر ایسے مشتعل ہوجاتے ہیں کہ قرآن پاک کو جلانے کا گھناؤنا منصوبہ بناتے ہیں تو ان کا یہی اقدام اور مذموم ارادہ خود انہی کو متعصب اور تحمل سے عاری ثابت کررہا ہے۔

اب اس ''گاؤں نما'' دنیا کے تمام باشندوں کو اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہیے کہ چند نام نہاد مسلمانوں کی قرآنی آیات کی من مانی اور غلط تاویل قرآن کو غیر مقدس نہیں بنادیتی۔ ہر مقدس صحیفے کی تفسیر اس کے نازل شدہ متن کے حوالے سے کیا جانا نہایت ضروری ہے۔ بہت سی مقدس کتب میں جن میں بائبل اور بھگوت گیتا بھی شامل ہیں ایسی عبارات موجود ہیں جو جنگ کے دوران مدمقابل دشمنوں کے قتل کو جائز قرار دیتی ہیں۔ اس طرح ہم بھی غیر مسلموں سے یہ کہنے کا پورا حق رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس بات کو مدنظر رکھیں کہ جب مسلمان قرآنی آیات کی تفسیر وترجمہ اس کے متن کے حوالے سے اور موقع ومحل کے مطابق پیش کریں تو اسے اسی طرح قبول کریں۔

میں تمام عالم انسانی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے مقدس کتب کی توہین اور تذلیل جیسے جارحانہ اقدامات سے گریز کریں۔ لکھے ہوئے صفحات کو جلانے کا عمل نہ تو ہم انسانوں کو ایک دوسرے سے قریب لارہا ہے اور نہ دنیا کو ایک پرامن جگہ بنانے کے ہمارے مشترکہ مقصد کو ہی قریب لارہا ہے البتہ اپنی مقدس کتب کی تعلیمات کی پیروی ہمیں متحد کرسکتی ہے کیونکہ ہر مذہب رب العالمین کے (جہانوں کا رب) نہ کہ رب المسلمین کے (مسلمانوں کے رب) یا کسی اور مذہب کے رب کی پیدا کردہ تمام انسانوں کو آپس میں محبت امن اور یکجہتی پیدا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں جس نے خود فرمایا ہے کہ ''ہم نے خود یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلام (جس کے لغوی معنی سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری ہیں) کی تعلیمات کے اچھے اور باعمل پیروکار بن کر قرآن اور اس کے تقدس کی حفاظت کے لئے جدوجہد کریں۔

میری یہ دعا ہے کہ تمام مذاہب اور دنیا بھر کے تمام انسان ایک دوسرے کو بہتر طریقے پر سمجھ پائیں۔

میں ان تمام لوگوں کے لئے دعا کرتا ہوں جو ایسے نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں اذیتیں اٹھا رہے ہیں۔ جو درحقیقت مسلمان کہلاتے ہوئے بھی ایسے افعال کے مرتکب ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

میں ان تمام مسلمان اور غیر مسلم بے گناہ انسانوں کی روحوں اور ان کے پس ماندگان کے لئے بھی دعا کرتا ہوں جن کی جانیں 11 ستمبر (9/11) کے ہولناک سانحہ میں تلف ہوئیں (آمین)

قسط دوئم

ہمارا خالق

محمد ضیاءاللہ صاحب

قرآن کریم کی آیت انما یومن بایتنا الذین اذا ذکرو بھا خرو سجدا وسبحو بحمد ربھم وھم لا یستکبرون میں اسی حالت کا ذکر ہے ،لیکن اس اندھی عقل کی گمراہی کا ماتم کن الفاظ میں کیا جائے ، جو اس سب کے باوجود اس ذاتِ عظیم کے متعلق بحث اور تکرار کرتی ہے اور قرآن کریم کی آیت قالت رسلھم افی اللہ شک فاطر السموات والارض کس خوبصورتی سے اس روحانی نابینائی کا نقشہ کھینچتی ہے۔

ہر چیز میں خدا کی ضیا کا ظہور ہے
پر پھر بھی غافلوں سے وہ دِلدار دُور ہے

نیوٹن(Newton) نے سب سے پہلے اجرام سماویہ کی حرکت کے قوانین دریافت کیے، جب وہ ان کو دریافت کر چکا تو بے اختیار ہو کر پکار اٹھا کہ یہ مادّی عالم ایک عظیم الشان اور بہت بڑی قدرتوں والی ذات (جس نے اسے پیدا کیا ہے) کی واضح نشاندہی کرتا ہے اور یہ ذات ہمیشہ سے ہے اور ہر جگہ ہے اور اس عالم کو پیدا کرنے کے بعد اس پر اس کی ایسی کامل حکومت ہے کہ اس کے مقابلہ میں ہمارے جسموں اور ہمارے اعضا پر ہماری حکومت بالکل ہیچ ہے۔

کائنات کے عظیم ومہیب اور نظر آسکنے والے مظاہر سے ہٹ کر اب ذرا آنکھ سے نظر نہ آسکنے والے حقیر ذرّوں کی دنیا کے متعلق بھی کچھ سنیئے اور دیکھئے کہ ان کی پیدائش اور وجود میں کن کمالات کا مظاہرہ ہوا ہے۔انسان کا خود اپنا مقام ان دونوں حدود یعنی ایک طرف بڑے بڑے اجرامِ سماوی اور دوسری آنکھ سے نظر نہ آسکنے والے حد سے زیادہ چھوٹے چھوٹے ذرّوں کے درمیان ہے۔ان میں سے پہلے جراثیم کو دیکھئے یہ اس قدر چھوٹے ہیں کہ صرف خوردبین سے ہی ان کا پتہ لگ سکتا ہے لیکن اپنی زندگی اور اپنی افزائش، اپنی موت اور اپنی پیدائش کا عجیب سلسلہ اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔اور علم طب کے ماہروں کو یقین ہے کہ انسانی زندگی کی صحت و بیماری، بقا اور قیام کے کئی لاینحل عقدوں کی گرہ کشائی اسی دنیا کے علم سے وابستہ ہے اور جوں جوں انسان اس میں غوطہ زن ہوتا جائے گا توں توں انسانی زندگی سے متعلق بہت سے سربستہ راز وا ہوتے جائیں گے۔

مادے کی دنیا میں ایٹم کی تحقیق اور تجزیئے کے سلسلے میں جو جدید انکشافات ہوئے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔اشیاء جو ٹھوس نظر آتی ہیں اصل میں ان کی ماہیت وہ نہیں جو آنکھ دیکھتی ہے بلکہ ان کے اندر ایک عجیب وغریب دنیا کام کر رہی ہے مثلاً آگ پر رکھے ہوئے ایک برتن کے متعلق جس سے بھاپ نکل رہی ہو اگر یہ سوال ہو کہ کیا اس دھات کے اجزا جس کا یہ برتن بنا ہوا ہے، ساکن ہیں یا متحرک ہیں تو ہمارا فوری جواب ہوگا کہ یقیناً ساکن ہیں، کیونکہ دھات ٹھوس ہے البتہ بھاپ جو اس سے نکل رہی ہے وہ متحرک ہے۔لیکن سائنس کہتی ہے کہ یہ جواب درست نہیں، کیونکہ اس برتن کی دھات کے اجزا سوائے الیکٹرانز اور پروٹانز کے مجموعہ کے اور کچھ نہیں اور یہ الیکٹرانز ہر لحہ اور ہر وقت اس دھات کے ایٹم کے نقطہ مرکزی یعنی پروٹانز کے گرد بلا کی رفتار سے گردش کر رہے ہیں اور ایک سیکنڈ میں 100000000000000 سے بھی زیادہ دفعہ اپنے مرکزی نقطہ کے گرد چکر لگا لیتے ہیں اور جب سے سائنس نے ایٹم کا تجزیہ کر کے اس میں محصور الیکٹرانز اور پروٹانز کو دریافت کر لیا ہے، مادّہ کے متعلق پہلا نظریہ کہ یہ محض ذرّوں کا جامد مجموعہ ہے غلط ثابت ہو چکا ہے اور اب یہ بات سائنس کی ایک پختہ اور تسلیم شدہ صداقت ہے کہ مادہ اصل میں الیکٹرانز اور پروٹانز کا مجموعہ ہے جو اس کے اندر ہر وقت حرکت کی حالت میں ہیں اور پھر ایٹم کا حال بالکل خلا کے نظامِ شمسی کے مشابہ ہے یعنی جیسے نظامِ شمسی میں ستارے اس کے نقطہ مرکزی کے گرد گردش کرتے ہیں اسی طرح ایٹم کے اندر بھی اس کے الیکٹرانز ستاروں کی رفتار کے ساتھ پروٹانز کے گرد گردش کرتے ہیں۔اگر چہ ایٹم ہم کو نظر نہیں آسکتا لیکن سائنس نے اس کے اندر الیکٹرانز

کی رفتار اور حرکت تک کو بھی ناپ لیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ایٹم میں پروٹانز کے گرد اس کے الیکٹرانز ایک انچ کے دس لاکھویں حصہ سے کم دائرے میں پستول کی گولی کی رفتار سے ہر وقت گردش کر رہے ہیں اور غضب یہ ہے کہ ان کی یہ گردش جو ہمارے ستاروں کی گردش سے تیز تر ہے اس درجہ انتہائی چھوٹی جگہ یعنی ایک انچ کے دس لاکھویں حصہ میں (جہاں یہ محصور ہیں) ہو رہی ہے۔ غور کریں کہ ایک طرف تو خلا کی حیرتناک وسعتوں کے اندر نظام شمسی میں ستاروں کی گردش اور دوسری طرف بالکل ویسے ہی ایک حد سے زیادہ تنگ اور محدود دائرہ یعنی ایٹم کے اندر وہی سب کچھ۔ اس طرح ایٹم کا نظام اور نظام شمسی مادّی عالم میں دو متوازی نظام ہیں جس کا سائنس پتہ دیتی ہے۔ ایک حد درجہ چھوٹے دائرہ میں اور دوسرا حد درجہ وسیع وعریض خلا میں، لیکن دونوں باہم مماثل اور صرف یہی نہیں بلکہ جس طرح نظام شمسی میں سورج اور اس کے گرد گردش کرنے والے ستاروں کے درمیان فاصلے ہیں اسی طرح ایٹم میں بھی اس کے نقطہ مرکزی اور اس کے گرد حرکت کرنے والے الیکٹرانز میں فاصلے ہیں۔ اگر ایک قوی ہیکل انسان کو جو چھ فٹ لمبا اور تین من بھاری ہو ایک شکنجہ میں دبا کر اس طرح سکیڑا جائے کہ اس کے جسم کے الیکٹرانز اور پروٹانز کے درمیان جو فاصلے اور خالی جگہیں ہیں وہ سب یکسر اس دباؤ کے عمل کے نتیجہ میں خارج اور معدوم ہو جائیں اور تمام کے تمام الیکٹرانز اور پروٹانز ایک جان اور اکٹھے ہو جائیں تو یہ قوی الجثہ انسان گھٹ کر ایسے ذرّہ کے برابر رہ جائے گا کہ جسے صرف آتشین شیشہ کی مدد سے ہی دیکھا جاسکے گا۔ ایٹمی سائنس نے ان انتہا سے زیادہ چھوٹے ذرّوں کے متعلق اب تک جو راز دریافت کیے ہیں، ان کے مدّنظر یوں لگتا ہے کہ مادّہ کے حقیر ذرّوں کے اندر بے پناہ قوت اور طاقت کے خزانے پنہاں ہیں اور دنیا اس بات کی منتظر ہے کہ کب ذہین وفطین انسان کا ہاتھ اس کی اسیر قوتوں کی رہائی کے رازوں کا بھید پا کر دنیا کا نقشہ بدل دے۔

مثال کے طور پر کوئلہ کے ایک مٹر برابر ریزہ میں اس قدر ایٹمی قوت موجود ہے کہ ایک عظیم الشان سمندری جہاز کو جس میں ہزاروں مسافر سوار ہوں اور جس میں ایک بڑے عالیشان ہوٹل کی سب آسائشیں موجود ہوں، یہ انگلستان سے امریکہ اور وہاں سے واپس انگلستان لاسکتا ہے اور اسی طرح کوئلہ کے ایک پاؤنڈ کے اندر جو ایٹمی توانائی موجود ہے وہ اگر کسی صورت میں اس سے حاصل کی جاسکے تو انگلستان جیسے ترقی یافتہ اور صنعتی ملک کی پندرہ دن کی جملہ ایندھن کی ضروریات اس سے بخوبی پوری ہو سکتی ہیں۔

کیا عجب تو نے ہر ایک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اِن اسرار کا

خلاصہ کلام یہ کہ خواہ ایک خاک کے ذرّے کو دیکھیں یا خلا میں بڑے سے بڑے ستارے کو، ان دونوں کی حقیقت جب انسان پر کھلتی ہے تو اسے سکتہ کے عالم میں ڈال دیتی ہے اور دونوں پر ایک جیسی ثبت مُہر ایک ہی بنانے والے کی نشان دہی کرتی ہے۔

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی راہ ہے ترے دیدار کا

لیکن جس کی فطرت ہی مسخ ہوگئی ہو اور روحانی نابینائی کا شکار ہو اس کا کیا علاج۔ اسے تو اپنے اندھے پن کی وجہ سے یہ موٹی بات جو اکبر مرحوم نے یوں بیان کی:

ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

نظر نہیں آرہی اور خود حد درجہ محدود ہونے کے باوجود یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ کیوں وہ ذات جو بے حدّ وعدّ ہے اپنی خدائی کو چھوڑ کر اپنے عرشِ عظیم سے الگ نہیں ہو جاتی تا ایک احمق اور نادان کا یہ مطالبہ کہ غیر محدود محدود کے اندر سما جائے اور پورا ہو سکے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

الغرض یہ ہے ہمارا خالق اور یہ ہے ہمارا رب۔ اور دنیا میں جس قدر مذاہب آئے ہیں ان کے لانے والوں نے اسی کو پیش کر کے اس کا قرب حاصل کرنے کی تلقین کو ہی اپنی تعلیم کا مرکزی نقطہ قرار دیا ہے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا تعین کر کے اسی مقصد کو حاصل کرنے کی عملی راہیں بتائی ہیں۔

حقوق اللہ کی غرض حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے اور اسی طرح حقوق

العباد کی بھی یہی غرض ہے کیونکہ جب انسان مخلوقِ خدا کی خدمت کرے گا تو اسے اللہ کا قرب حاصل ہوگا وجہ یہ ہے کہ تمام مخلوق ایک طرح سے حق تعالیٰ کی عیال ہے۔ اگر آپ کسی کے بچے کو اپنی گود میں اٹھا کر اس سے پیار کریں گے یا اس کے ہاتھ میں مٹھائی کی ایک ڈلی رکھ دیں گے تو کیا اس کے ماں باپ کے دل میں آپ کے لئے قدر و محبت نہ پیدا ہوگی؟ حقوق العباد کا چونکہ ہمارے اس مضمون سے تعلق نہیں، اس لئے ہم صرف حقوق اللہ تک ہی اپنی بحث کو محدود رکھتے ہیں۔ حقوق اللہ کے متعلق تمام مذاہب نے بشمولِ اسلام دو باتوں پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔

اوّل یہ کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

دوئم یہ کہ سب سے بڑھ کر محبت حق تعالیٰ کی ذات سے کی جائے لیکن افسوس کہ مُرورِ زمانہ کے ساتھ اسلام کے متبعین نے بھی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی طرح سچ کے ساتھ کھوٹ ملا لیا۔ چنانچہ اس وقت مسلمانوں میں ایک طرف تو بعض لوگ قبر پرستی اور پیر پرستی میں گرفتار ہیں تو دوسری طرف بعض لوگ حق تعالیٰ سے محبت کے ہی منکر ہیں۔ شرک سے اس لئے روکا گیا ہے کہ مشرک سے زیادہ گم گشتہ منزل اور کوئی ہے ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جسے سچے اور حقیقی خدا کا علم ہی نہیں وہ اس کا قرب کیوں کر حاصل کرے گا، پھر مشرک سے زیادہ خود اپنی توہین کرنے والا کوئی نہیں کیونکہ جن اشیاء پر اسے حکمرانی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ ان کے آگے ہی عجز و نیاز سے اپنا سر خم کرتا ہے۔ اور جو حق تعالیٰ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے کا حکم ہے وہ اس لئے ہے کہ اس سے بڑھ کر حقیقت میں انسان کی محبت کا دوسرا کوئی حقدار ہی نہیں۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ اس کا اس وجہ سے انکار کرتے ہیں کہ یہ ایک جنس کی دوسری جنس سے محبت ہے اس لئے محال ہے اور کچھ لوگ اس وجہ سے اس کے قائل نہیں کہ ان کے خیال میں اس میں انہماک انسان کی کام کرنے والی قوتوں کو بیکار کرتا ہے۔ اور جہاں جہاں اسلام کی تعلیم میں اس کی تلقین ہے اس سے مراد صرف اطاعتِ الٰہی ہے وبس۔ ان دو گروہوں کے علاوہ باقی لوگ دنیا طلبی اور فکرِ معاش میں اس قدر منہمک ہیں کہ ان کے پاس فرصت ہی نہیں کہ وہ اپنی خواہشات نفس کے علاوہ کسی اور بات کا خیال بھی کر سکیں اور بقول مولانا رومؒ

عامہ را از عشق ہم خوابہ طبق

کے بود پروائے عشقِ صنع حق

یعنی عوام الناس کو جو کھانے پینے کی لذات اور اپنے بیوی بچوں کی رونق میں مست ہیں بھلا حق تعالیٰ کی صنعت گری سے کب عشق و محبت کی فرصت ہے۔

آیئے ہم محبت کی ماہیت پر غور کریں اور اصل حقیقت کا پتہ لگائیں اور دیکھیں کہ کیوں حق تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا وجود نہ تو اس جیسا ہماری محبت حقیقی اور دائمی راحت کا باعث بن سکتی ہے۔

سب سے پہلے تو ہم منکرینِ محبت حق سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ خود محبت سے واقف نہیں اور کیا ان کا اپنا دل اس لطیف جذبہ سے خالی یا ناآشنا ہے؟ کیا ان کے نزدیک یہ ایک حقیقت نہیں کہ انسان کا دل ہر قسم کی محبتوں کی ایک جولانگاہ ہے۔ ماں باپ کی محبت، اولاد کی محبت، عزیز و اقارب کی محبت، وطن کی محبت، علم کی محبت اور اسی طرح کی انسانی قلب میں پیدا ہونے والی دیگر محبتوں سے کیا وہ واقف نہیں؟ اور کیا تاریخ عالم کا ایک بہت بڑا حصہ صرف اسی ایک جذبہ کی داستان نہیں؟ اور اگر یہ درست ہے تو پھر یہ کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ وہ ذات جس نے انہیں پیدا کیا اور پھر پالا پوسا ہے اور جس سے محبت فلاحِ دارین کا باعث ہے اس سے وہ محبت کے قائل ہی نہیں۔

لیک چشمِ دیدنت تو باز نیست

زیں دلِ تو محرمِ ایں راز نیست

یعنی چونکہ تیری روحانی آنکھ کھلی ہوئی نہیں اس لئے تیرا دل اس راز سے واقف نہیں۔ غور کرنے پر پہلی بات جو ہم کو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خالق کی محبت کا بیج انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔

دل نمی گیرد تسلّی جز خدا

ایں چنیں افتاد فطرت زِ ابتدا

یعنی خدا کے بغیر انسان کا دل تسلی نہیں پاتا اور ابتدا سے آدمی کی یہی فطرت ہے۔ اگرچہ الگ بات ہے کہ انسان خواہشات نفس میں گرفتار ہو کر فطرت میں رکھے ہوئے اس پاک بیج کی پرورش کی بجائے اسے کچل دے۔ کیونکہ ایک نازک

بیج اسی صورت میں ایک تن آور درخت بن سکتا ہے، جبکہ اس کی پوری طرح سے آبیاری اور دیکھ بھال کی جائے، لیکن اگر اسے پاؤں تلے مسل دیا جائے تو وہ کب بڑا ہو کر اپنے سایہ دار پھل سے مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے سے محبت کا جذبہ لے کر پیدا ہوا ہے اگر چہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ از راہِ گمراہی وہ اس کی جگہ کسی جھوٹے خدا یا خداؤں سے اپنا پیمانِ عشق و محبت باندھ لیتا ہے اور اس طرح اپنی فطری تسکین کا غلط سامان ڈھونڈتا ہے جیسے کہ قرآن پاک میں اس آیت میں ذکر ہے:

ترجمہ: ''یعنی ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے محبت اور دوستی کے تعلقات قائم کئے ہیں اس مکڑی کی طرح ہے جس نے اپنا گھر تو بنایا لیکن گھروں میں سے کمزور ترین گھر مکڑی کا ہوتا ہے، کاش وہ جانیں''۔

(سورۃ عنکبوت:۴۴)

اور پھر قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** (ذاریات:۵۷) فرما کر ہماری زندگی کے اصل مدعا کو واضح کر دیا ہے اور یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ وہ ایک شے کو خاص مقصد کے لئے پیدا تو کرے۔ لیکن اس کے حصول کے لئے جو ضروری ہو وہ اسے نہ دے اور جب ہماری زندگی کا مقصد خالق کی عبادت یعنی اس کی صفات کو جذب کر کے اس کا قرب حاصل کرنا ہی ٹھہرا تو پھر یہ ناممکن ہے کہ کہ اس مقصد کو پانے کے لئے سب ضروری طاقتیں ہماری فطرت میں نہ رکھی گئی ہوں اور یہ صاف ہے کہ کسی شے کو حاصل کرنے کی پہلی شرط اس کی تڑپ اور پیاس ہی ہو سکتی ہے۔

ہیچ آگہی نہ بود ز عشق و وفا مرا
خود در بختی متاعِ محبت بدامنم

یعنی مجھے عشق وفا کی کچھ بھی خبر نہ تھی، تو نے ہی خود محبت کی پونجی میرے دامن میں ڈال دی۔ اور قرآن پاک میں یہ جو فرمایا ہے کہ **الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب** وہ بھی انسان کی فطرت کے اسی خاصہ کا اظہار ہے کیونکہ دل کا حقیقی سُرور اور اطمینان اپنے پیدا کرنے والے کی یاد اور عبادت میں ہی مضمر ہے اور عبادت ہر گز کسی قسم کی بیگار یا چٹی نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ بندوں کی پرستش سے بکلی بے نیاز ہے اور اُسے ہماری حمد و ثنا کی قطعاً کوئی حاجت نہیں یہ تو صرف ہمارے لئے خود کو پاک کر کے اس کا قرب حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔

ہر سرائے را چراغے ہست صائب در جہاں
سینہ و دل روشن از نُورِ عبادت می شود

ایسی دنیا میں جس طرح گھر کے اندر روشنی کرنے کے لئے ایک چراغ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روشن ہوتا رہتا ہے۔

الغرض اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ دنیا کی سب کامیابیاں، سب دولتیں، سب عزتیں، سب ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد انسان اپنی سچی خوشی اور راحت ان میں نہیں پاتا، کیونکہ حقیقی چین و قرار دنیا کی دولت اور اس کی عزت میں نہیں بلکہ اُس سکینتِ قلب میں ہے جو خالق سے محبت اور اس کی عبادت کے نتیجہ میں انسان کو ملتا ہے اور ایسے کیوں نہ ہو، جب اسے خلق ہی اس صورت سے کیا گیا ہے کہ اس کا دل تختِ رب العالمین بنے۔

نہ ہو طغیانِ مشتاق تو میں رہتا نہیں باقی
کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیانِ مشتاقی

غور اور تجزیہ کرنے پر محبت کے چار اسباب یا محرکات نظر آتے ہیں:

اوّل: حُسن

دوئم: احسان

سوئم: کمال

چہارم: محبت نفس

ہم ان میں سے ہر ایک کو باری باری لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کس منطقی نتیجہ پر ہم کو پہنچاتے ہیں اور ان کی روشنی میں یہ معلوم کرتے ہیں کہ کیا حق تعالیٰ کی طرح کوئی دوسرا وجود ہماری محبت کا ویسا حقدار ہو سکتا ہے اگر نہیں تو پھر متذکرہ بالا تینوں گروہ یقیناً گم گشتہ منزل اور جادۂ مستقیم سے دُور ہیں۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆

جس کے لیے جیئے اسی سے ہیں جا ملے

تحریر: فضل حق صاحب

مرنا ہر شخص نے ہے یہ بات اہم نہیں ہے بات یہ اہم ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والے کا اللہ کے ہاں کس طرح استقبال کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے یہ غیب کی باتیں ہیں جو قیامت سے قبل کوئی نہیں جان سکتا۔ مگر انسان جس طرح اس دنیا میں اپنی زندگی گزارتا ہے اس سے یہ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا استقبال کس طرح کیا جائے گا۔

انور علی بھائی کے لیے بھی آخر کا موت کا دروازہ کھل گیا۔ جو ہر انسان کا مقدر ہے مگر ہمارے بھائی انور علی کے متعلق ان کے جاننے والے یہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اللہ اور اس کے دین کی نصرت کے لیے جیئے۔

میرا ان کے ساتھ کچھ زیادہ وقت تو نہیں گزرا مگر ایک مومن انسان کی پہچان سالوں میں نہیں بلکہ دنوں میں ہو جاتی۔ انور بھائی جڑانوالہ (فیصل آباد) میں ایک مذہبی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے ہی سکول میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور آ گئے۔

انور بھائی ایک چلتا پھرتا داعی الی اللہ کا نمونہ تھے انہوں نے بچپن ہی سے اسلام کی دعوت کا بوجھ اٹھا لیا تھا۔ ان کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ ان کی پوری زندگی اللہ کے ذکر اور حضرت محمد ﷺ پر درود بھیجنے میں گذری۔

بچپن ہی سے مذہبی ماحول میں پرورش پائی جس کی وجہ سے مذہب میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے موجودہ زمانہ میں لوگوں کی بے حسی اور علماء کرام کی علمی حالت کی وجہ سے بے چین سے رہتے تھے اور دین اسلام کی حقیقی تعلیم تھی کے متلاشی تھے اور اللہ کے حضور ہر وقت گریہ وزاری کرتے رہتے تھے۔

انور بھائی پیدائشی طور پر جماعت احمدیہ قادیان (ربوہ) کے ممبر تھے اور اکثر اوقات ان کو جماعت احمدیہ لاہور کی برائیاں سننے کو ملتی رہتی تھی مگر چونکہ ان کا دل سچائی کے لیے متفکر تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دارالسلام خواب میں دکھایا پھر کیا تھا اللہ کے اس اشارہ کو پا کر سچائی کی تلاش میں نکل پڑے اور آخر کار 1998ء میں دارالسلام آئے اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی خواہش کی، چونکہ اس وقت شام کے چار یا پانچ کا وقت تھا اور دفتر بند تھا انور بھائی کو اس وقت حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید مرحوم و مغفور کے گھر لے گئے جہاں حضرت امیر نے اپنے مہمان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا تو انور بھائی کے لیے یہ دوسرا دھچکا تھا کیونکہ وہ ایک ایسے ماحول سے آئے تھے جہاں نام نہاد خلیفہ صاحب کو ملنے کے لیے ملاقات کے لیے وقت لینا بذات خود ایک معرکہ سر کرنے کے مترادف ہے۔ انور بھائی کے دل میں اس سادگی اور منکر المزاجی نے گھر کر لیا تھا۔ انور بھائی کو جس بات کی تلاش تھی وہ انہوں نے اللہ کے فضل سے پا لی۔ اپنے علم کی تکمیل اور کونو مع الصادقین کا عملی نمونہ بننے کے لیے ہفتہ میں دو یا تین دفعہ دارالسلام آنے لگے اور دسمبر 1999ء میں سالانہ دعائیہ کے موقع پر بیعت کی۔

انور علی بھائی کا اللہ اور اس کے دین کی خدمت کے جذبے کے ساتھ ساتھ خلق خدا کی ہمدردی کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اپنے گاؤں کے ناخواندہ بچوں کو دیکھ کر ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان بچوں کے لیے مفت تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جائے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے شروع میں مفت ٹیوشن پڑھانا شروع کی اور بعد میں ایک سکول کھولا جس کا سنگ

بنیاد بریگیڈئر (ر) محمد سعید صاحب نے رکھا۔ اس سکول میں گاؤں کے غریب اور مسکین بچے تعلیم حاصل کرتے تھے، سکول کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے انور بھائی کا یہ طریق تھا کہ والدین کی طرف سے جو ان کو عید یا کسی اور تہوار میں کپڑوں یا جوتوں کا خرچہ ملتا بجائے ان چیزوں کے خریدنے کے وہ یتامیٰ کی تعلیم پر خرچ کر دیتے اور یہ خیال کرتے کہ میرے پاس پرانا سوٹ اور کپڑا ہے تو سہی۔ خدمت خلق کے لیے انہوں نے کبھی بھی کسی کام کو چھوٹا نہیں سمجھا۔ بچوں کے تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے فنڈ اکٹھا کیا، یہ سب کسی عام انسان کا کام نہیں بلکہ اسی انسان کی کام ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف اور اللہ کے مخلوق کی محبت ہو۔ جب بچوں کے امتحان ہوتے تو اپنے دفتر سے چھٹیاں لیکر بچوں کو امتحان کی تیاری کرواتے۔ بھائی انور کا یہ معمول تھا کہ طالبعلمی کے زمانے میں بھی غریب طلباء کو اپنی جیب خرچ سے مدد کرتے رہتے تھے۔

آپ نہایت پرہیز گار انسان تھے۔ نماز تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے تھے آپ ہمہ وقت عبادتِ الٰہیٰ میں مصروف رہتے تھے، کسی بھی حالت میں یادِ الٰہیٰ سے غافل نہ ہوتے۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندا نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اسکے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کے قدم بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اس حدیث قدسی کا مصداق انور بھائی تھے انہوں نے اللہ کا قرب حاصل کر لیا تھا۔

مجھے یاد ہے یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں زمانہ طالبعلمی میں تھا اور ہمارے پیارے بھائی انور جب بھی ہوسٹل تشریف لاتے تو ان کے پاس خدمت خلق کرنے کا پلان موجود ہوتا تھا کبھی وہ ہم نوجوانوں کو حقوق اللہ کا درس دے رہے ہیں کبھی خدمت خلق کی اہمیت پر زور ڈال رہے ہیں مہمان خانہ کی صفائی کا کام مل جل کر کر رہے ہیں اور یہاں تک کہ گراونڈ کی صفائی کے مشن پر ہم طالبعلموں کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

بھائی انور بہت ہی مہمان نواز انسان تھے جب بھی کبھی ان کے پاس کوئی بھی جاتا تو وہ اپنے مہمان کی بہت خاطر مدارت کرتے تھے۔ مہمان نوازی تو ان کی بے مثال تھی ہی اگر ان کے دستر خوان پر کوئی آ جاتا تو اس کی بھی خدمت بے مثال کرتے تھے۔ یہ بات جو میں آگے لکھنے جارہا ہوں شاید ہی کسی کی زندگی میں پیش آئی ہو کیوں کہ یہ مہمان نوازی میں بھی شامل ہے اور خدمت خلق میں بھی۔ ایک رات انور بھائی اپنے گھر (احمدیہ بلڈنگ) سے دفتر جانے کے لیے نکلے تو راستے میں کسی صدا لگانے والے نے صدا لگائی کہ روٹی کھانی ہے انور بھائی نے فوراً صدا لگانے والے کی طرف دیکھا، اُسے اپنے گھر لے گئے اور اپنے ہاتھ سے خود روٹی بنا کر دی اور بعد میں دفتر گئے۔

بھائی انور کے دل میں غریب اور مساکین لوگوں کے لیے پیار اور ہمدردی کا جذبہ اس قدر تھا کہ اپنے گاؤں کے غریب اور مساکین کے لیے گھر بنا کر دیئے تا کہ وہ لوگ بھی عزت کے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہ سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو اللہ کے ولی ہوتے ہیں وہ ان کو جان نقصان سے بھی آزماتا ہے اور مال کے نقصان سے بھی آزماتا ہے اور دنیا دار لوگ مومن انسانوں کو اور اللہ کے ولی لوگوں کو تکالیف بھی پہنچاتے ہیں ایسے بہت سے واقعات ہیں جو انور بھائی کی زندگی میں ہوئے ہیں انور بھائی نے جب بھی کوئی نیکی اور انسانیت کے لیے کام کیا تو آپ کے مخالفین نے ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ گاؤں میں لاکھوں کے حساب سے درخت لگائے تا کہ گاؤں کے لوگوں کے کام آسکیں تو بھی مخالفین نے ان درختوں کا بھی نقصان کیا اور ساتھ انور بھائی کو بھی گالیاں دی کہ تم بہت بڑے گاؤں والوں کے خیر خواہ بنے بیٹھے ہو۔ اگر انور بھائی نے بچوں کو فری

پڑھانے کا کام شروع کیا تو گاؤں کے لوگوں نے یہ کہہ کر مخالفت کی کہ یہ تو احمدی ہے۔

انور بھائی کی مخالفت نہ صرف ان کے گاؤں میں ہوئی بلکہ لاہور میں جس دفتر میں کام کرتے تھے وہاں بھی آپ کے ساتھ کام کرنے والے ساتھی آپ کے رنگ میں رنگین ہونے کے بجائے آپ کو دُکھ دیتے اور تکلیف دیتے تھے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت ابی بن کعبؓ سے دریافت کیا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا:

امیرالمومنین! کیا خاردار جھاڑیوں سے آپ کبھی گزرے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں، حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا پھر آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا دامن سمیٹ کر پورے احتیاط سے، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا: ''یہی تقویٰ ہے''۔ انور بھائی نے جدید ترین دور میں رہتے ہوئے جیسی مومنانہ اور صابرانہ زندگی گزاری، ہوا و ہوس کی موجوں سے اپنے دامن کو بچایا، حرص و ہوا کے صحرا میں قناعت و دیانت پر استقامت رکھی ایک سچے مومن کو اس سے بڑھ اور کس چیز کی ضرورت ہے اور اس سے مشکل تقویٰ اور کیا ہو سکتا ہے۔

انور بھائی بہت ہی خداترس اور متقی انسان تھے انہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کی خوشنودی کے لیے گزاری۔ ان کے جاننے والے گواہی دے سکتے ہیں آپ نے ساری زندگی قرآن و حدیث اور عشقِ رسول حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے فروغ کا درس دیا۔ نماز روزہ اور نیکی کی تلقین فرمائی۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ان پر صادق آتا ہے کہ اچھا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو۔ اللہ گواہ ہے جہاں تک میں ان کو جانتا ہوں ان کے ہاتھ یا زبان سے کبھی کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا۔ جس وقت انور بھائی بیمار تھے تو ان کے بڑے بھائی کا بیان ہے کہ گھر میں یا کسی بھی جگہ ان کے ساتھ کوئی جھگڑا کرتا تو وہ کبھی بھی غصہ نہ کرتے تھے اور کسی کی زیادتی کا جواب زیادتی سے نہ دیتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ اور مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی تعلیم کے خلاف ہے کہ بدلہ لیا جائے۔ کیونکہ ان کی زبان سے ہر وقت حضرت مسیح موعودؑ کے یہی الفاظ نکلتے تھے کہ:

گالیاں سن کے دعا دو پا کے دُکھ آرام دو

انور بھائی کی زندگی میں اطاعت امیر اس قدر تھی کہ امیر کا حکم سر آنکھوں پر ہوتا وہ حضرت امیر کے خطبات کو بہت پسند کرتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ جب بھی خطبہ جمعہ دیں اس کو سننے کے لیے ضرور آتے تھے۔ امیر کی اطاعت کا یہاں تک جنون تھا کہ جب بھی حضرت امیر ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز دورہ جات کے لیے بیرون ملک جاتے تو احمدیہ بلڈنگ سے خاص طور پر ملنے آتے اور جب آپ تشریف لاتے تو ان کو خوش آمدید کہنے کے لیے حاضری دیتے۔

انور بھائی ہر دل عزیز انسان تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ان کی ناگہانی موت نے ہر ایک کو اشکبار کر دیا، بچوں سے لیکر بڑوں تک کا دل اس موت نے ہلا کر رکھ دیا۔

بارگاہِ الہیٰ سے یہی دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو منور فرمائے اور جنت الخلد میں ان کے چہرے کو ہمیشہ تر و تازہ رکھے، اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

درس قرآن ۔ ۲۹

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ”بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ لیکن بڑا نیک وہ ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور مال کو دے اس کی محبت کے باوجود (اپنے) رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور جن کی گردنیں دبی ہوئی ہوں، اور نماز کو قائم کرے اور زکوٰۃ دے، اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی میں اور دُکھ بیماری میں اور مقابلہ کے وقت، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنا ایمان) سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں“۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۷۷)

اس سبق میں پہلی یہ بات قابلِ غور ہے کہ یعنی ”یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو“ سے کیا مراد ہے؟ اکثر بلکہ تمام مفسرین نے اس کے معنی تحویل قبلہ کے لئے ہیں یعنی مدینہ آ کر مسلمان کا قبلہ جو پہلے بیت المقدس تھا اسے پھیر کر مکہ معظمہ کی طرف کر دیا گیا تھا۔ تو مفسرین نے وہ معنی لئے ہیں کہ بذاتِ خود اس میں کوئی بڑی نیکی نہیں بلکہ بڑی نیکی ان باتوں میں ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے مگر اس معنی میں مندرجہ ذیل نقص ہیں:

(۱): تحویل قبلہ سے مضمون جوڑنے کے لئے مفسرین کو چار، پانچ رکوع پہلے جانا پڑا ہے۔ حالانکہ بیچ میں جو رکوع ہیں ان میں دوسرے مضمون آ گئے ہیں اور جیسا کہ میں عرض کروں گا اس سے ماقبل کے رکوع سے اس رکوع کا مضمون نہایت عمدہ تعلق رکھتا ہے۔

(۲): جہاں تحویل قبلہ کا ذکر ہے وہاں اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلعم کو انفرادی طور پر اور مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی ملا کر پانچ دفعہ اوپر تلے حکم آئے ہیں کہ تم جہاں کہیں بھی ہو تو نماز کے وقت اپنا مونہہ خانہ کعبہ کی طرف کرو۔ اور قبلہ کی اتنی اہمیت ہے کہ مسلمانوں کو حدیث میں اہل قبلہ کہہ کر رسول صلعم نے حکم فرمایا کہ **لاتکفّر اھل قبلتک** یعنی اپنے اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرو۔ گویا کہ قبلہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھنا اہل اسلام کا امتیازی نشان ہے اور مسلمان ہونے کے لئے یہ گواہی یا نشانی کافی ہے۔ تو قبلہ کی اس اہمیت کی روشنی میں یہ سمجھنا کہ ”یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں“ صحیح نہیں۔

(۳): اگر ہم وہ معنی لیں جو مفسرین نے لئے ہیں تو وہ جغرافیائی سمت کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں۔ آیت زیرِ غور مدینہ منورہ میں اُتری تھی۔ قبلہ اول یعنی بیت المقدس وہاں سے شمال کو ہے اور قبلہ آخر یعنی خانہ کعبہ وہاں سے جنوب کو ہے۔ تو آیت ”یہ تو بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف“ خود مدینہ کے مسلمانوں پہ لگانا بھی ٹھیک نہیں بیٹھتا کجا یہ کہ ہم اس کو مسلمانوں پر عام طور پر لگائیں جو کہ خانہ کعبہ کی ہر سمت میں تھے اور اب بھی ہیں خواہ وہ عرب کے اندر ہوں یا دوسرے ممالک میں۔

دراصل مشرق اور مغرب معروف نام ہیں جن میں دنیا بٹی ہوئی ہے۔ انگریزی میں بھی East اور West کے الفاظ مشرق کے ملکوں یا لوگوں کے لئے یا مغرب کے ملکوں یا لوگوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اب ہم نسلِ انسانی کی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو تمدن و تہذیب شروع میں مشرق میں تھا۔ نہ صرف یہ

کہ تمام مذاہب کی ابتداء مشرقی ملکوں سے ہوئی اور تمدن وتہذیب کی بنیاد دراصل مذہب پر ہوتی ہے جو اعلیٰ اخلاق کو سکھلانے والا ہوتا ہے بلکہ ابتدائی دور میں بڑی بڑی سلطنتیں بھی مشرق میں ہی تھیں۔ علوم اور سائینسز Sciences جیسی کیسی بھی تھیں مشرق میں ہی تھیں۔ اچھا لباس، اچھا رہنا سہنا، شاعری، ادب یعنی لٹریچر، اچھے آداب محفل سب مشرق میں تھے۔ ان دنوں میں یورپ اور امریکہ جنگلی یا نیم جنگلی حالت میں تھے۔ انیسویں صدی عیسوی میں کایا پلٹ گئی۔ نہ صرف مغربی قومیں سیاسی اور فوجی طریقہ پر دنیا میں چھا گئیں بلکہ انہوں نے علوم وفنون خصوصاً سائینسز Sciences میں ایسی حیرت انگیز ترقیات کیں کہ ساری دنیا خصوصاً اہل مشرق کی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔

انیسویں صدی عیسوی ہی وہ زمانہ تھا کہ نہ صرف مشرقی سلطنتوں کا زوال ہوا بلکہ مذہبی بنیادیں جن پر تمدن وتہذیب کی عمارت کھڑی ہوئی ہے وہ بھی کھوکھلی ہوگئیں۔ دوسرے مذاہب تو خیر شرک پیدا ہو جانے اور اپنی مذہبی کتابوں کے کھوئے ہوئے یا بگڑ جانے کی وجہ سے پہلے ہی سے کھوکھلے ہوگئے تھے مگر اسلام میں نہ صرف توحید موجود تھی بلکہ قرآن اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود تھا۔ مگر انیسویں صدی میں مسلمان مذہبی پیشواؤں کا طریق وہ تھا (الا ماشاء اللہ) جس کا نقشہ پچھلے رکوع میں کھینچا گیا ہے یا مولانا الطاف حسین حالی کی مشہور مسدس میں کھینچا گیا ہے۔ قرآن اور سنت کو چھوڑ کر مسلمان مذہبی پیشوا (الا ماشاء اللہ) فقہ کے مسئلوں میں الجھ گئے اور اس سے قدامت پسندی لازماً ان میں آ گئی اور مسلمان بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ کر چھوٹے چھوٹے مسائل پر آپس میں شدید اختلاف بلکہ لڑائی جھگڑوں میں پڑ گئے۔ اس کے نتیجہ میں مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے بددل ہو کر یا تو عیسائی ہونے لگا یا کم سے کم مغرب کا دلدادہ ضرور ہوگیا۔

اب ہم قرآن حکیم کے الفاظ کو دیکھتے ہیں کہ فرمایا ''یہ کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق کی طرف موڑو یا مغرب کی طرف''۔ انسان کا چہرہ جدھر ہو ادھر ہی وہ دیکھتا ہے۔ اور دوسری طرف نہیں دیکھتا۔ اُدھر ہی انسان جاتا ہے۔ اُدھر ہی اس کی توجہ ہوتی ہے۔ اُدھر ہی سے وہ سیکھتا ہے اور اُدھر سے جو بات آئے اسے سنتا یا اسے سیکھتا ہے۔ پہلے زمانہ میں جب مشرق تہذیب اور تمدن کا گہوارہ تھا تو ساری دنیا کا رُخ اسی طرف تھا۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں لوگوں کا رُخ مغرب کی طرف ہوگیا نہ صرف اس لئے کہ حاکم وقت مغرب سے آئے تھے اور وہ اپنے تہذیب وتمدن کو باقی دنیا پر مسلط کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے بلکہ اس لئے بھی کہ اہل مغرب کی علمی اور سائنٹیفک حیرت انگیز ترقیات نے تمام دنیا کی آنکھیں چکا چوند کر دی تھیں۔

خود برصغیر میں لوگ دو پارٹیوں میں بٹ گئے۔ کچھ تو وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ مشرقی تہذیب وتمدن ہی اچھا ہے اور مغربی تہذیب وتمدن میں کوئی خوبی نہیں۔ اور کچھ لوگ اس کے برعکس مغربی تہذیب وتمدن کے ایسے دلدادہ ہوگئے کہ جو بات مغرب سے آئے یا جو کام اہل مغرب کرتے تھے۔ اُسے ہی وہ ٹھیک اور قابلِ تقلید سمجھتے تھے۔ وہ مذہب سے دور ہو چکے تھے ان بُری باتوں کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے خصوصاً اس لئے کہ سائنس کی حیرت انگیز ترقیات نے جہاں لوگوں کے دل موہ لئے تھے۔ وہاں انیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی کے بیشتر حصہ میں مغربی سائنس لوگوں کو دہریت اور لامذہبی کی طرف زور سے کھینچ کر لے گئی۔ مذہب سے دور جا پڑنے کے باوجود انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنوارنا چاہتی ہے۔ مذہبی تعلیمات سے اگر نہیں تو مغرب کی لامذہبی تمدن وتہذیب سے ہی سہی۔

قرآن پاک کی انصاف پسندی بھی کمال کی ہے۔ جہاں یہ کہ مشرق کے دلدادہ مغرب کی تہذیب میں کوئی خوبی نہ دیکھ سکتے تھے۔ اور مغرب کے لوگ مشرق کی تہذیب کو دقیانوسی اور ناقابلِ عمل سمجھتے تھے، قرآن پاک نے فرمایا کہ مشرقی تہذیب ہو یا مغربی ان میں چھوٹی، چھوٹی خوبیاں تو ضرور تھیں یا ہیں مگر اعلیٰ نیکیاں نہیں ہیں۔ مثلاً مغربی تہذیب میں ''تھینک یو'' (Thank you) بات، بات پر کہنا یا اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی خوبیاں ضرور ہیں۔ مگر اعلیٰ نیکیاں یہ نہیں۔ اور ان اعلیٰ نیکیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مغربی تہذیب کا ملمع یعنی سطحی چمک

دمک جلد ہی مات ہوگئی اور آج یورپ امریکہ میں بدکاری، خلاف فطرت افعال، ننگا پن، شراب خوری اور دوسری منشیات کا دور دورہ ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ خانگی زندگی برباد ہو چکی ہے۔ نوجوان نسل باغی ہوگئی ہے۔ اسی طرح مشرق کی مختلف تہذیبیں بعد میں آن کر ہر قسم کی برائیوں میں پڑ گئی تھیں۔ تو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ خوبیاں دنیاوی تہذیبوں یا انسانوں کے بنائے ہوئے تمدنوں میں نہیں بلکہ ان باتوں میں ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم اسی جگہ فرماتا ہے۔

ان میں سب سے پہلی اور بنیادی بات ہے من امن باللّٰہ ۔یعنی جو اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ خدا ہے بلکہ یہ کہ اس نے جہاں اس تمام کائنات کا بیکار نہیں بنایا بلکہ نہایت اعلیٰ مقاصد کے لئے بنایا ہے وہاں انسان کو جو اس کائنات کا شاہکار Masterpiece ہے اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اسے تو یقیناً اعلیٰ ترین مقصد کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہ مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو پانا اور اس کا قرب حاصل کرنا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو وہی پاسکیں گے یا اس کا قرب حاصل کرسکیں گے جو اس کے رنگ میں رنگین ہوں گے۔ اس لئے قرآن نے دوسری جگہ فرمایا صبغۃ اللّٰہ و من احسن من اللّٰہ صبغۃ و نحن لہ عبدون ''اللہ کا رنگ اور اللہ سے بڑھ کر کس کا اعلیٰ ہوسکتا ہے اور ہم تو اس کی عاجزی سے فرمانبرداری کرنے والے ہیں'' اسی بات کو رسول اللہ صلعم نے یوں فرمایا کہ تخلقو ابا خلاق اللّٰہ ''اللہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو'' کس طرح؟ اس کے احکام کی جو قرآن پاک میں ہیں عاجزی سے فرمانبرداری کرو جیسا کہ فرمایا نحن لہ عبدون ۔ اللہ تعالیٰ کا رنگ اس کی صفات ظاہر کرتی ہیں اور وہی اعلیٰ ترین اخلاق ہیں۔

میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں الحمد اللہ کی تفسیر میں بتا آیا ہوں کہ عمدہ صفات یا قابلِ تعریف خوبیوں کا تصور انسان کے دماغ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم پا کر ہی ہوا اور نہ انسان کا دماغ تو وہی ہے جو جانوروں کا ہے اور ایک مادی چیز ہے۔ اس میں اعلیٰ اخلاقی اور روحانی خوبیوں کا تصور خود بخود پیدا ہونا ناممکن تھا اگر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ سے انسان کو اپنی صفات کا علم نہ دیتا اور چونکہ یہ وحی حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اس لئے ہزار ہا سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات ہی انسان کے ذہن میں اخلاقی خوبیاں یا قدریں بن گئیں۔ جو علم قرآن شریف نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا دیا ہے وہ کسی اور الہامی کتاب میں آج نہیں ملتا اس لئے کہ یا تو دوسری الہامی کتابیں ضائع ہوگئیں اور ان کے صرف مختلف ترجمے جو صدیوں بعد کئے گئے ملتے ہیں یا تحریف سے وہ کتابیں بگڑ گئیں۔ قرآن پاک واحد الہامی کتاب ہے جو نزول کے ساتھ ساتھ لکھی گئی اور متفقہ طور پر آج بھی محفوظ ہے۔ بہر حال جس تفصیل سے اللہ تعالیٰ کی صفات قرآن کریم میں ہیں کسی اور الہامی کتاب میں نہیں چاہے وہ کسی رنگ میں آج موجود ہو۔ جس کا دل چاہے مقابلہ کر کے دیکھ لے۔

تو انسان نے اگر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خلافت کرنی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُسی اعلیٰ اخلاقی اور روحانی قدروں سے خلافت چاہتا ہے جن صفات کا وہ خود مالک ہے اور اگر آخرت میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب یا وصال نصیب ہونے کی تمنا ہے تو بھی ظاہر ہے کہ جو جتنا اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر رکھتا ہوگا اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوسکے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کی صفات وہ اعلیٰ اخلاقی اور روحانی خوبیاں رکھتی ہیں کہ ان پر جس تمدن و تہذیب کی بنیاد ہوگی اس سے اعلیٰ کسی تمدن و تہذیب کا تصور کرنا ممکن ہی نہیں۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆

شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

بزمِ اطفال

ہمارے پیارے امام علیہ السلام کا پیارا بچپن

پیارے بچو! آج آپ کو پیارے امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے بچپن کے کچھ حالات بتاتے ہیں۔ آپ بچپن ہی سے بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ طالب علمی کے زمانہ سے ہی آپ نے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں حصہ نہیں لیا۔ اپنی پڑھائی میں لگے رہتے، اپنے استادوں کا بے حد ادب کرتے۔ آپ نہ کسی سے لڑتے نہ جھگڑتے۔

آپ اپنا زیادہ وقت مسجد میں ہی گذارتے، پڑھتے رہتے تھے اور ٹہلتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ کی جسمانی ورزش بھی ہو جاتی تھی۔ آپ کو قرآن شریف سے بہت محبت تھی۔ قرآن شریف پڑھتے وقت آپ زار زار رونے لگتے تھے۔

آپ کو تنہائی بہت پسند تھی۔ استاد صاحب سے سبق پڑھتے اور سب سے الگ بیٹھ کر یاد کرتے رہتے۔ جوں جوں بڑے ہوتے گئے۔ دین اسلام اور ذکر الٰہی سے محبت بڑھتی گئی۔ یہ تنہا پسندی آپ کے ابا جان کو پسند نہ تھی اور کبھی کہہ دیتے: ''یہ ہمارے گھر میں مُلّاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے'' اور اگر کوئی آپ کے متعلق پوچھتا تو اُسے کہتے: ''مسجد کے سقادہ کی کسی ٹونٹی میں جا کر دیکھو۔ اگر وہاں نہ پاؤ تو مسجد کے اندر کسی گوشہ میں تلاش کرو۔ اگر وہاں بھی نہ ہو تو دیکھنا کسی صف میں کوئی لپیٹ کر کھڑا کر گیا ہوگا کیونکہ وہ زندگی میں ہی مرا ہوا ہے''۔

پیارے بچو! دیکھا آپ نے کہ ہمارے پیارے امام اپنی ابتدائی عمر میں ہی خدا تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے کس قدر شیدائی تھے اور آپ کے دن رات کیسے عبادت الٰہی میں گذرتے تھے کہ آپ اپنے والد صاحب کے نزدیک جیتے جی ہی مر چکے تھے۔

سچ ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خدا کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆

کوئز برائے اطفال الاحمدیہ

سوال نمبر1: اسلامی سال کے آخری مہینے کا نام بتائیں؟

(۱): محرم (۲): رجب (۳): ذی الحج

سوال نمبر2: کھانا شروع کرنے سے پہلے کیا پڑھنا چاہیے؟

(۱): الحمداللہ (۲): سبحان اللہ (۳): بسم اللہ

سوال نمبر3: اسلامی سال کے ساتویں مہینے کا نام بتائیں؟

(۱): شعبان (۲): رجب (۳): شوال

سوال نمبر4: جنت کے کتنے دروازے ہیں؟

(۱): پانچ (۲): سات (۳): نو

سوال نمبر5: عصر کی نماز میں فرض رکعات کتنی ہیں؟

(۱): دو (۲): تین (۳): چار

جواب ارسال کرنے کا طریقہ

تمام بچے اپنے جوابات اس پتہ پر ارسال کریں: دفتر شبان الاحمدیہ مرکزیہ ۵ عثمان بلاک دارالسلام کالونی نیوگارڈن ٹاؤن لاہور۔

نیز جوابات SMS کے ذریعے بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:

☆ اپنا نام اور شہر کا نام ☆ سوال کا نمبر اور آگے جواب

☆ شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے نمبر 0313-4433515 پر بھیجیں۔

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام ۔۵۔ عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

دِل آخر خدا سے لگانا پڑے گا

از: مرتضیٰ خان حسن مرحوم ومغفور

کھلیں گے جب اعمال کے میرے دفتر
ندامت سے سَر کو جھکانا پڑے گا

نہ اس میں مجھے چین آئے گا اکدام — اسے منّتوں سے منانا پڑے گا

اگر جان بھی جائے پرواہ نہیں ہے — وہاں نامہ بر تجھ کو جانا پڑے گا

نہ اِک جام سے ہوگی تسکین ساقی — تجھے خُم کا خُم ہی لنڈھانا پڑے گا

بڑی دیر سے دل کی بستی ہے ویراں — یہ اُجڑا دیار اب بسانا پڑے گا

بُتوں کی خدائی میں رکھا ہی کیا ہے — دل آخر خدا سے لگانا پڑے گا

ازل سے ہی آئین ہستی یہی ہے — جو آیا یہاں اُس کو جانا پڑے گا

مسلّم ہے میری وفا یا عدو کی؟ — یہ قصّہ مجھے اب چُکانا پڑے گا

اگر قابلِ دار ہوں میں تو جاناں!
میرا جُرم تم کو بتانا پڑے گا

☆☆☆☆

7 ستمبر 1974ء کے ''یومِ سیاہ'' کی یاد میں

از: عامر عزیز الازہری

ہوا جاری فرمان شاہی کہ راندہ درگاہ ہو تم

ہونٹ سی لو کہ زندیق و گمراہ ہو تم

کفر کی زنجیر مثلِ جرسِ ناقہ سناتے پھرو

یہ سزا ہے کہ کیوں بلندہ نگاہ ہو تم

صد حیف ارزاں ہوئی جاں تھی جو محترم

اجڑا چمن کہ فرامینِ فرعون کی آماج گاہ ہو تم

گُل کردو دیپ اصلاحِ نوعِ بشر کے

اب معرکہ سیاستِ شیخ کی رزم گاہ ہو تم

قندیلِ اُمیدِ صبح روشن جلائے رکھنا عزیزؔ

کہ مرجع خلائق کی مقدس درگاہ ہو تم

☆☆☆☆